قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر

طلوعِ اسلام

ماہنامہ ——— لاہور

خط و کتابت

ناظم ادارۂ طلوعِ اسلام (رجسٹرڈ)

۲۵/بی، گلبرگ ۲، لاہور ۱۱

پوسٹ کوڈ ——— ۵۴۶۶۰

ٹیلیفون: ۸۷۶۲۱۹

مجلسِ ادارت

مُدیرِ مسئول: محمد لطیف چوہدری

معاون: ثریّا عندلیب

ڈاکٹر صلاح الدین اکبر

ناشر: عطاءُ الرحمٰن آرائیں

طابع: سیّد عبدالسلیم

مطبع: آفتاب عالم پریس

۱۳، ہسپتال روڈ۔ لاہور

فون۔ ۲۲۷۳۹۲

مقامِ اشاعت: ۲۵/بی۔ گلبرگ ۲، لاہور ۱۱

جلد ۴۶ ——— فروری ۱۹۹۳ء ——— شمارہ ۲

بدلِ اشتراک

سالانہ

پاکستان ——— ۱۲۰ روپے

بیرونی ممالک ——— ۱۸ امریکی ڈالر

فی پرچہ: ۱۰/- روپے

فہرست مضامین

لمعات	ادارہ	۲
فرقے کیسے مٹ سکتے ہیں۔	علامہ غلام احمد پرویزؒ	۶
دستورِ پاکستان اور نفاذِ اسلام	عبدالرزاق عادل	۲۴
رستاناسور	صاحبزادہ سیّد خورشید گیلانی	۳۶
حصولِ علم کے لئے جدّوجُہد	ثریّا عندلیب	۴۶
نفسِ واحدہ	بریگیڈیئر اعزاز الدین احمد	۵۰
صحت و صفائی	علامہ غلام احمد پرویزؒ	۵۶
درسِ قرآن (اشتہارات)	ادارہ	۵۸
عورت قرآن کے آئینے میں۔ (انگریزی)	عبیدالرحمٰن ارائیں (کویت)	۸۰

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

لمعات

یوں تو وہ کونسا دَور ہے جس میں عوام کو مشکلات کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ لیکن آجکل ان کی کثرت اور شدت بہت زیادہ ہوگئی ہے۔ آپ کسی شخص سے ملئے۔ کہیں ملئے اور کسی وقت ملئے' اس کے لبوں پر سب سے پہلے حرفِ شکایت آئے گا۔ شکایت بھی ملک اور قوم کے استحکام یا مستقبل سے متعلق نہیں' روزمرّہ کی زندگی میں قدم قدم پر پیش آنے والے معاملات سے متعلق ـــ اور ان کا حل نہ کہنے والے کے پاس ہوگا' نہ سننے والے کے پاس۔ دونوں اس باب میں بے بس نظر آئیں گے۔ یہ حالت سارے کے سارے معاشرہ کی ہو چکی ہے۔ اخبارات نے "شکایات سیل" کھول رکھے ہیں جن کے صفحات شکایات سے بھرے نظر آئیں گے۔ لیکن ان مشکلات کا حل کہیں دکھائی نہیں دے گا۔ اس کا اصولی حل' حضرت عمرؓ نے جو پیش فرمایا تھا۔ واقعہ تو انہی کے عہد کا ہے لیکن جو مثال آپ نے قائم کی تھی وہ ہر دَور میں ابدی اصول کا کام دیتی ہے۔ ہوا یوں کہ ملک میں قحط پڑ گیا اور اردگرد کی ساری آبادیاں ہجوم کر کے مدینہ آگئیں ـــ اس مشکل کے حل کے لئے آپ نے ایک تدبیر یہ اختیار کی کہ حکم دے دیا کہ مدینہ میں کسی کے گھر میں انفرادی طور پر کچھ نہیں پکے گا۔ ساری غذا یکجا کر لی جائے گی جسے اہلِ مدینہ اور بیرونی پناہ گزین ایک دسترخوان پر مل کر کھائیں گے۔ اس کی ابتدا' آپ نے خود اپنے گھر سے کی۔ یہ غذا جس قسم کی ہو سکتی تھی۔ ظاہر ہے۔ آپ اس کے عادی نہیں تھے ـــ مسلسل پریشانی' بہم مشقت' دن رات کی تگ و تاز۔ اس پر ناموافق غذا۔ نتیجہ یہ کہ آپ کے چہرے کا رنگ سیاہ پڑ گیا اور دن بدن لاغر ہوتے چلے گئے۔ اس پر آپ کے رفقاء کو تشویش لاحق ہوئی اور انہوں نے آپ سے کہا کہ آپ اس تبدیلیٔ غذا کو برداشت نہیں کر سکیں گے اس لئے آپ اپنے معمول کی غذا کی طرف پلٹ آئیے۔ اس کے جواب میں آپ نے جو کچھ فرمایا' وہ' ابدی اصول ہے جس میں عوام کی مشکلات کا حل پوشیدہ ہے۔ آپ نے فرمایا:

> "مجھے لوگوں کی تکالیف کا احساس کس طرح ہو سکتا ہے جب تک مجھ پر بھی وہی کچھ نہ گذرے جو ان پر گذرتی ہے!" (شاہکارِ رسالت' ص ۲۵۷)

آیئے اب چند ایک (سب کی سب نہیں. صرف چند ایک) ایسی مشکلات کا جائزہ لیں جن کا سامنا ایک عام شہری کو ہر روز کرنا پڑتا ہے۔

۱۔ بجلی اور پانی کا کنکشن لینے کے لئے آپ کو جن صبر آزما مراحل سے گزرنا پڑتا ہے، ان کی تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں. وقت، توانائی، پیسہ کے ضیاع کے علاوہ، آپ کے اعصاب پر جو اثر پڑتا ہے وہ ناقابلِ برداشت ہوتا ہے لیکن اربابِ اقتدار کو ان مشکلات کا احساس نہیں ہو سکتا. کیونکہ انہیں کبھی یہ کنکشن لینے ہی نہیں پڑتے. یہ سب ان کے ہاں موجود ہوتے ہیں۔

۲۔ کنکشن مل جانے کے بعد شدت کی گرمی کے زمانے میں، جس طرح بار بار بجلی فیل ہو جاتی..... اور اس کے ساتھ ہی پانی کی سپلائی منقطع ہو جاتی ہے، اربابِ اقتدار کو اس کا تجربہ ہی نہیں ہوتا. ان کے ہاں بجلی فیل ہی نہیں ہوتی. نہ پانی کی سپلائی منقطع ہوتی ہے. بجلی کی خرابی دور کرانے کے لئے آپ کو جس قدر ٹکریں مارنی اور ذلیل ہونا پڑتا ہے، اس کا اندازہ اربابِ اقتدار لگا نہیں سکتے. ان کے ہاں کی بجلی میں خرابی نہیں ہوتی. اگر ہوتی ہے تو اسے ٹھیک کرنے والا عملہ وہیں موجود ہوتا ہے۔

۳۔ ٹیلی فون کی حالت اس سے بھی ناگفتہ بہ ہے. کنکشن لینے کو تو چھوڑیئے. کال کرنے یا لینے کے لئے آپ کو جن اعصاب شکن مراحل سے گزرنا پڑتا ہے اس کا اندازہ بھی اربابِ اقتدار نہیں لگا سکتے. ان کے ٹیلی فون خراب ہوتے ہی نہیں. اگر کبھی ایسا ہو جاتا ہے تو تہلکہ مچ جاتا ہے۔

۴۔ حکومت کے خزانہ یا بنک سے کچھ لینے کے لئے نہیں، وہاں حکومت کے واجبات جمع کرانے کے لئے آپ کو جس قسم کی دھکم پیل کا مقابلہ کرنا یا گرمی، سردی، بارش، موسم (اور اکثر دھوپ میں) کھڑے کھڑے صبح کو شام کرنا پڑتا ہے، اربابِ اقتدار کو اس کا اندازہ نہیں ہو سکتا کہ انہیں ان امور کے لئے وہاں خود جانا ہی نہیں پڑتا. اپنے واجبات لینے کے لئے آپ کو جس قدر جگر کاٹنے اور ذلیل ہونا پڑتا ہے، اس کا ذکر ہم نے عمداً نہیں کیا۔

۵۔ کسی زمانے کا محاورہ تھا ــــ السفر سقر ــــ سفر کرنا جہنّم کا عذاب بھگتنا ہے. جس زمانے میں یہ محاورہ وجود میں آیا تھا اس سے مراد سفر کی طبعی تکالیف ہوں گی. لیکن آج کا سفر، ہوائی جہاز کا ہو، ریل کا یا بس کا، طبعی تکالیف کے علاوہ جس قدر ذہنی کوفت اور قلبی صعوبت اٹھانی پڑتی ہے اس کی شکایت اس لئے نہیں کی جاتی کہ وہ اب معاشرہ کا معمول بن چکی ہے. اربابِ اقتدار کو اس کا علم و احساس کس طرح ہو سکتا ہے کہ مسافروں پر کیا گذرتی ہے. کیونکہ ان کے ساتھ تو کبھی ایسا ہوتا ہی نہیں۔

۶۔ رشوت کے متعلق حکمران خود کہہ رہے ہیں کہ اس کا بھاؤ اب بہت چڑھ گیا ہے. پہلے جو کام پچاس روپے میں ہو جاتا تھا، اب پانچ سو روپے میں بھی نہیں ہوتا. ظاہر ہوتا ہے کہ حکمرانوں نے یہ بات کسی سے سنی ہوگی. ان کی

آب بیتی نہیں ہوگی۔ انہیں کون بتائے کہ بات پچاس اور پانسو کی نہیں۔ جس جس قسم کے طبیعی، ذہنی، اعصابی تشدد اور عیارانہ طریقوں سے مجبور کر کے رشوت بٹوڑی جاتی ہے، اسے وہی جان سکتا ہے جس پر یہ بیتے!

۷۔ چوری، ڈکیتی، قتل و غارت گری اور اغوا کی دہشت انگیزیوں سے حالت یہ ہو چکی ہے کہ کوئی امن پسند شہری رات کو اطمینان کی نیند سو نہیں سکتا۔ لیکن اربابِ اقتدار کو اس کا احساس نہیں ہو سکتا۔ کیوں کہ ان کے ہاں حفاظت کے اطمینان بخش انتظامات موجود ہوتے ہیں۔

۸۔ بچے کو کسی موزوں سکول کی ابتدائی کلاس میں داخل کرانے کے لئے جس قدر جوتے اور دانت گھسنے پڑتے ہیں ان کی بھنک تک بھی اربابِ اقتدار کے کانوں میں نہیں پڑ سکتی۔ اس پر اخراجات کی بھرمار کہ الٰہی توبہ۔ عام قسم کے سکولوں میں محض رجسٹر میں نام درج کرانے کے (مثلاً) ایک سو روپے۔ آپ کی قسمت نے یاوری کی اور بچے کے داخلے کی باری آگئی، تو داخلہ کے پانچ پانچ سو روپے۔ اور ابتدائی کلاس (کے۔ جی۔ نرسری وغیرہ کے لئے، جہاں بچے محض کھیلنے کے لئے جاتے ہیں) کی فیس دو دو سو روپے ـــــ "فتوحاتِ بالائی" اس کے علاوہ پڑھانا بچے کو گھر ہی میں پڑتا ہے۔

امتحانات کے کمروں میں جو دھاندلی، دہشت گردی اور فریب کاری ہوتی ہے، اس کی موجودگی میں کوئی طالبعلم اپنے (MERITS) کی بنا پر، پاس تو شاید ہو جائے، اس کے لئے پوزیشن حاصل کرنا بہت مشکل ہوتا ہے..... امتحان پاس کر لینے کے بعد، لاقانونیت کے ذرائع اختیار کئے بغیر، ملازمت حاصل کر لینا کسی خوش قسمت ہی کے لئے ممکن ہوگا۔ اربابِ اقتدار کو عوام کی ان مشکلات کا احساس کس طرح ہو سکتا ہے۔ ان کے بچوں کے حصولِ تعلیم و ملازمت کے انداز مختلف ہوتے ہیں۔

۹۔ وہ بنیاد جس پر انسان ہی نہیں، حیوانات تک کی زندگی کی عمارت استوار ہوتی ہے "روٹی کا مسئلہ" ہے۔ اس کے حل کے لئے عوام کو جن جانکاہ، جگر گداز، ہمت شکن اور صبر آزما مشکلات کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے، اس کا احساس اربابِ اقتدار کو ہو ہی نہیں سکتا۔ ہمارے ہاں "دال روٹی" غریب ترین معیارِ زیست سمجھا جاتا تھا۔ جہاں دال قریب ۱۵ روپے کلو اور آٹا قریب ۴ روپے کلو ہو، کس کی سمجھ میں آسکتا ہے کہ بال بچے دار (مزدور ہی نہیں) عام سفید پوش گذارہ کس طرح کرتا ہے۔ پھر جس چیز کا جی چاہتا ہے، مارکیٹ سے ناپید ہو جاتی ہے۔ ملتی بھی ہے تو نہ معلوم اس میں کس کس قسم کی "بدبلا" کی آمیزش ہوتی ہے۔ گوالا، دودھ ملا پانی لاتا ہے اور نرخ بڑھائے چلا جاتا ہے۔ قصاب، پچاس ساٹھ روپے کلو کے حساب سے گوشت کے نام سے جو کچھ گاہک کی طرف پھینک دیتا ہے، کوئی لیبارٹری ہی بتا سکتی ہے کہ وہ درحقیقت ہوتا کیا ہے؟ مکھن کو فرائی پین میں رکھ کر ذرا آنچ تیز کر دو تو وہ ہوا بن کر اڑ جاتا ہے۔ جو انڈے مرغی کے سمجھ کر خریدے جاتے ہیں، ان پر مرغی بٹھا دو تو نہ معلوم ان میں سے کس کس قسم کے بچے نکلیں؟

سوچیئے کہ جن اربابِ اقتدار کے کھانے کے میز پر صبح و شام، تازہ بتازہ، خالص، انواع و اقسام کی اشیائے خورد و نوش بافراط موجود ہوں، انہیں کس طرح احساس ہو سکتا ہے کہ عوام زندگی کے دن کیسے پورے کر رہے ہیں ؎

تو اے کبوترِ بامِ حرم چہ می دانی
تپیدنِ دل مرغانِ رشتہ بر پارا!

کہا جا سکتا ہے کہ اربابِ اقتدار کو عوام کی ان مشکلات کا علم تو ہوتا ہے! علم ہونے کے باوجود، ان کا تدارک کیوں نہیں ہوتا، یہ جُداگانہ موضوع ہے۔ ہم اس وقت اپنے آپ کو اسی نکتہ تک محدود رکھنا چاہتے ہیں جسے حضرت عمرؓ نے پیش فرمایا تھا۔ علم تو انہیں بھی تھا کہ قحط زدگان کو کس قسم کا کھانا مل رہا ہے، لیکن انہوں نے ان کے ساتھ شریکِ دسترخوان ہونا ضروری سمجھا تاکہ انہیں ذاتی تجربہ اور احساس ہو جائے کہ اس سے ان پر گذرتی کیا ہے۔ اسی سے ان کی مشکلات کا تدارک ہو سکتا تھا۔ اور اسی طرح اسلامی نظام وجود میں آ سکتا اور قائم رہ سکتا تھا۔

قارئینِ محترم!

لفافے پر درج تاریخ دیکھ لیجئے۔ ہو سکتا ہے کہ آپ کا زرِ شرکت ختم ہو گیا ہو۔

زرِ شرکت کی تجدید فرما دیجئے یا ہمیں مطلع فرما دیجئے۔ مہربانی ہو گی۔ ناظمِ ادارہ

فرقہ پرستی

قرآن: سورۃ ۳ آیت ۱۰۲ | قرآن نے دین کو مکمل کر دیا اور اس کے بعد مسلمانوں سے کہہ دیا کہ تمہارا شعارِ زندگی اب یہ ہے کہ
وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا وَّلَا تَفَرَّقُوا ... ۵ (۳/۱۰۲)

"تم سب کے سب مل کر اس ضابطۂ خداوندی کو محکم طور پر تھامے رہو اور فرقوں میں مت بٹ جاؤ۔"

آئین دفعہ ۲۲۷ (۱) | تمام موجودہ قوانین کو قرآن اور سنت میں منضبط اسلامی احکام کے مطابق بنایا جائے گا۔
تشریح:۔ کسی مسلم فرقے کے قانون شخصی پر اس شق کا اطلاق کرتے ہوئے، عبارت "قرآن و سنت" سے مذکورہ فرقے کی کی ہوئی توضیح کے مطابق قرآن اور سنت مراد ہوگی۔

شریعت بل | تعریف (ب) شریعت سے مراد وہ احکامِ اسلام ہیں جو قرآن و سنت سے ثابت ہیں۔
تشریح:۔ شریعت کی تشریح، تفسیر کرتے وقت قرآن اور سنت کی تشریح و تفسیر کے مسلّمہ اصول و قواعد کی پابندی کی جائے گی اور راہنمائی کے لئے اسلام کے مسلّم فقہاء کی تشریحات اور آراء کا لحاظ رکھا جائے گا۔ جیسا کہ دستور کی دفعہ ۲۲۷ شق (۱) کی تشریح میں ذکر کیا گیا ہے۔

اور اب ایک اور بل | فرقہ پرستی کی بنیاد پر کوئی جماعت، تنظیم، گروپ یا انجمن بنانے کی اجازت نہیں ہوگی۔ (روزنامہ جنگ، لاہور، ۱۴ جنوری ۱۹۹۳ء)

طلوعِ اسلام کا مؤقف

"فرقے کیسے مٹ سکتے ہیں" کے زیرِ عنوان قرآنی فکر پر مبنی علامہ غلام احمد پرویزؒ کا مؤقف جو جنوری ۱۹۵۸ء اور مارچ ۱۹۸۲ء کے شماروں میں پیش کیا گیا تھا، تجدیدِ یادداشت کے لئے ایک بار پھر شاملِ اشاعت ہے۔

شاید کہ تیرے دل میں اتر جائے میری بات

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

فرقے کیسے مٹ سکتے ہیں؟

قرآن نے دین کو مکمل کر دیا اور اس کے بعد مسلمانوں سے کہہ دیا کہ تمہارا شعارِ زندگی اب یہ ہے کہ

وَاعۡتَصِمُوۡا بِحَبۡلِ اللّٰہِ جَمِیۡعًا وَّلَا تَفَرَّقُوۡا ۪ (۳/۱۰۳)

تم سب کے سب مل کر اس ضابطۂ خداوندی کو محکم طور پر تھامے رہو۔ اور فرقوں میں مت بٹ جاؤ۔

یہ ہے دین کا اصل الاصول۔ اسی میں تمہاری فلاح و بہبود کا راز مضمر ہے اور اسی سے خود دین کا (یعنی اس نظامِ زندگی کا جو تمہارے لئے تجویز کیا گیا ہے) قیام، تمکن اور استحکام وابستہ ہے۔ اس آیۂ جلیلہ کے مختلف الفاظ پر غور کیجئے حقیقت اُبھر کر سامنے آجائے گی۔ سب سے پہلے یہ کہ، حَبۡلِ اللّٰہ ایک ہے۔ ایک سے زیادہ نہیں۔ دین کا ضابطہ قرآن ہے اور یہی وہ عُرۡوَۃِ الۡوُثۡقٰی (۲/۲۵۶) وہ محکم سہارا ہے جو کبھی ٹوٹ نہیں سکتا۔ (لَا انۡفِصَامَ لَہَا) کبھی دغا نہیں دے سکتا۔ جو ہر زمانے میں۔ ہر مقام پر۔ تمام نوعِ انسانی کے لئے واحد اور مکمل ضابطۂ حیات ہے۔ ذہنِ انسانی کے وضع کردہ نظامِ زندگی زمانے کے تقاضوں کے بدلنے سے ٹوٹتے اور بنتے۔ بنتے اور ٹوٹتے رہتے ہیں ——— زماں زماں شکند آنچہ می تراشد عقل ——— لیکن یہ ضابطۂ خداوندی زمان اور مکان کی نسبتوں سے بلند اور حدود و قیود کے امتیازات سے ماوراء ہے۔ اس کے اصول، زندگی کی وہ ابدی اور مستقل اقدار ہیں جن میں کبھی تغیّر و تبدّل نہیں ہو سکتا۔ لَا تَبۡدِیۡلَ لِکَلِمٰتِ اللّٰہِ ؕ... (۱۰/۶۴)

دین اجتماعی ہے

(۲) وَاعۡتَصِمُوۡا میں جمع کے صیغے (تم سب) اور جَمِیۡعًا کی تخصیص سے یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ دین، خدا اور بندے کے درمیان انفرادی تعلق کا نام نہیں کہ ہر شخص اپنی اپنی جگہ بیٹھے۔ اپنے اپنے انداز سے "گیان دھیان" کے ذریعے خدا سے لَو لگا لے اور اس طرح اپنی "مکتی" (نجات) کا سامان پیدا کرے۔ دین اجتماعی نظامِ زندگی کا نام ہے۔ جس میں تمام افراد ایک ناقابلِ تقسیم وحدت کی حیثیت سے رہتے اور ایک طریق پر چلتے ہیں۔ ان کی یہ جامعیت بھی دین کا اشتراک ہے۔ اسی سے یہ سب ایک اُمّت بنتے ہیں۔ وَکَذٰلِکَ جَعَلۡنٰکُمۡ

اُمَّةً وَّسَطًا ۵ (۲/۱۴۳)

(۳) جَمِیْعًا نے اس حقیقت کو بھی واضح کر دیا کہ اس دین کے مطابق زندگی اسی صورت میں بسر ہو سکتی ہے جب پوری کی پوری اُمّت ایک ہی طریق پر چل رہی ہو۔ اگر اس میں مختلف فرقے پیدا ہو گئے اور ہر فرقہ نے ایک جداگانہ طریق کی پیروی اختیار کر لی، تو یہ دین باقی نہیں رہ سکتا۔ لَا تَفَرَّقُوْا کے حکم نے اس حقیقت کو اور بھی نمایاں کر دیا۔ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِیْعًا میں امر (حکم) تھا۔ یعنی یہ کرو اور لَا تَفَرَّقُوْا میں نہی ہے (کہ یوں نہ کرو) اور یہ ظاہر ہے کہ جس بات کو امر اور نہی۔ مثبت اور منفی کی حدود میں گھیر کر بیان کیا جائے اس میں نہ کسی شک و شبہ کی گنجائش باقی رہتی ہے نہ مزید تاکید و تائید کی ضرورت۔ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ..... ایک جامع اصولِ زندگی ہے جس میں کسی اختلاف یا استثناء کی قطعاً گنجائش نہیں۔

یہ کوئی نیا اصول نہیں

(۴) قرآن نے یہ بھی بتایا ہے کہ یہ کوئی نیا اصولِ زندگی نہیں جو تمہیں پہلی بار دیا جا رہا ہے۔ یہی اصول ہے جو پہلے دن سے آج تک ہر نبی کی وساطت سے دیا جاتا رہا ہے۔ شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّیْنِ مَا وَصّٰی بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِیْٓ اَوْحَیْنَآ اِلَیْكَ وَمَا وَصَّیْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِیْمَ وَمُوْسٰی وَعِیْسٰٓی ..... اللہ نے اسی دین (نظامِ زندگی) کا راستہ تمہارے سامنے کھول دیا ہے جس کا حکم اس نے نوحؑ کو دیا تھا۔ وہی دین اب تمہاری طرف وحی کیا جاتا ہے۔ اسی کا حکم ابراہیمؑ اور موسےٰؑ اور عیسےٰؑ کو دیا گیا ہے۔

یہ حکم کیا تھا؟ یہی کہ اَنْ اَقِیْمُوا الدِّیْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِیْهِ ..... ۵ (۴۲/۱۳) تم سب اسی دین کو قائم کرنا اور اس میں کسی قسم کا تفرقہ نہ پیدا کر دینا۔ یہی وہ دین کی وحدت اور تفرقہ سے اجتناب تھا جس سے تمام انبیاء کرامؑ (زمان اور مکان کے اس قدر بُعد اور اختلاف کے باوجود) ایک "اُمّتِ واحدہ" بن گئے تھے۔ وَاِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ ۵ (۲۳/۵۲ ز ۲۱/۹۲) اے گروہِ انبیاء! یہ تمہاری جماعت اُمّتِ واحدہ ہے۔ تمہاری وجہ جامعیت یہ ہے کہ میں تم سب کا نشو و نما دینے والا ہوں۔ لہٰذا تم صرف میرے قوانین کی نگہداشت کرنا۔ یہاں اس حقیقت کو نمایاں کیا گیا کہ اُمّت کی وحدت، ضابطۂ زندگی اور قانونِ حیات کی وحدت پر مبنی ہوتی ہے۔ جب تک دین ایک رہے گا، اُمّت بھی ایک رہے گی۔ یا جب تک اُمّت ایک ہو گی، اس کا دین بھی ایک ہو گا۔ جب اُمّت میں تفرقہ پڑ جائے گا۔ تو دین بھی ایک نہیں رہے گا۔ الگ الگ ہو جائے گا۔ اور چونکہ دین ایک ناقابلِ تقسیم وحدت ہے اس لئے الگ الگ "دین" کے معنی یہ ہیں کہ اصل دین کہیں باقی نہیں رہا۔

اُمّتِ واحدہ

(۵) کسی اُمّت (قوم۔ جماعت) میں تفرقہ پیدا کر دینا کتنا بڑا جرم ہے اس کا اندازہ اس واقعہ

سے سنائیے جسے خدا نے سورۂ طٰہٰ میں بیان کیا ہے۔ حضرت موسےٰؑ کچھ دنوں کے لئے باہر تشریف لے جاتے ہیں اور بنی اسرائیل کو حضرت ہارونؑ کی زیر نگرانی چھوڑ جاتے ہیں۔ جب آپ واپس آتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ قوم نے گئو سالہ پرستی اختیار کر رکھی ہے۔ اس کا جو اثر حضرت موسیٰؑ کی طبیعت پر ہو سکتا تھا ظاہر ہے۔ وہ غصے سے لال پیلے ہو جاتے ہیں اور اپنے بھائی سے پوچھتے ہیں کہ مَا مَنَعَكَ إِذْ رَأَيْتَهُمْ ضَلُّوْٓا ..... ۵ (۲۰/۹۲) "جب تم نے دیکھا تھا کہ یہ لوگ گمراہ ہو رہے ہیں، تو وہ کونسی بات تھی جس کی وجہ سے تم نے انہیں (اس روش سے) روکا نہیں" اب سنئے کہ حضرت ہارونؑ اس کا کیا جواب دیتے ہیں۔ یاد رہے کہ حضرت ہارونؑ بھی خدا کے رسول ہیں۔ وہ جواب میں کہتے ہیں کہ إِنِّي خَشِيتُ أَنْ تَقُولَ فَرَّقْتَ بَيْنَ بَنِيٓ إِسْرَآئِيلَ وَلَمْ تَرْقُبْ قَوْلِي ..... (۲۰/۹۴) "مجھے یہ اندیشہ گذرا کہ تو آکر یہ نہ کہہ دے کہ (اے ہارونؑ) تو نے بنی اسرائیل میں تفرقہ ڈال دیا اور میرے فیصلہ کا بھی انتظار نہ کیا" آپ نے سوچا برادران!

شرک سے بھی بڑھ کر

کہ یہ بات کیا ہوئی؟ حضرت ہارونؑ نے کہا کہ اگر یہ لوگ جہالت کی وجہ سے، کچھ وقت کے لئے مورتی کی پوجا کرنے لگ گئے تھے تو میرے نزدیک یہ اتنا بڑا جرم نہیں تھا جتنا بڑا جرم ان میں تفرقہ پیدا کر دینا تھا۔ یہ جواب ایک نبی کی طرف سے دیا جاتا ہے اور دوسرا نبی اس سے مطمئن ہو جاتا ہے جیسا کہ ذرا آگے چل کر بتایا جائے گا۔ قرآن نے خود فرقہ بندی (تفرقہ) کو شرک قرار دیا ہے۔ اب ظاہر ہے کہ گئو سالہ پرستی بھی شرک تھی اور تفرقہ انگیزی بھی شرک لیکن تفرقہ انگیزی کا شرک ایسا شدید اور سنگین تھا کہ اس سے بچنے کے لئے عارضی طور پر گئو سالہ پرستی کے شرک کو گوارا کیا جا سکتا تھا۔ چنانچہ قرآن اس پر شاہد ہے کہ گئو سالہ پرستی کے جرم کا ازالہ توبہ سے ہو گیا۔ فَتَابَ عَلَيْكُمْ ۚ إِنَّهُ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ (۲/۵۴) لیکن جب انہوں نے باہمی تفرقہ پیدا کر لیا اور اس طرح اُمتِ واحدہ کی بجائے مختلف گروہوں اور پارٹیوں میں بٹ گئے — وَقَطَّعْنٰهُمْ فِي الْأَرْضِ أُمَمًا ۚ ..... (۷/۱۶۸) تو ان پر تباہی اور بربادی۔ ذلت و خواری، محرومی و محتاجی کا ایسا عذاب مسلط ہو گیا جو ہر جگہ سائے کی طرح ان کے پیچھے لگا رہتا تھا۔ ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ أَيْنَ مَا ثُقِفُوٓا ..... (۳/۱۱۱)

(۴) جیسا کہ اوپر کہا جا چکا ہے، ہر رسول کا پیغام یہ تھا کہ "دین کو قائم کرو اور باہمی تفرقہ مت پیدا کرو" ہر رسول اس پیغام کے ذریعے ایک جماعت۔ ایک اُمت متشکل کر کے جاتا۔ اس کی اُمت کچھ وقت تک تو متحد رہتی لیکن اس کے بعد اس میں گروہ بندیاں اور فرقہ سازیاں شروع ہو جاتیں یہ کیوں ہوتا؟ قرآن اس کی وجہ بتاتا ہے کہ وَمَا تَفَرَّقُوٓا إِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ ۚ ..... (۴۲/۱۴ ز ۴۵/۱۷) یعنی خدا کی طرف سے اَلْعِلْم (وحی) آجانے کے بعد، جس کا مقصد تمام اختلافات کو مٹا دینا ہے، باہمی تفرقہ کی گنجائش ہی نہیں رہتی۔ لیکن اس وحی کے وارث، باہمی ضد اور ایک دوسرے سے آگے بڑھ جانے اور ایک دوسرے پر چڑھ دوڑنے

کے جذبہ کی وجہ سے مختلف فرقے بنا لیتے ہیں۔ یعنی اس گروہ بندی اور فرقہ سازی کی وجہ یہ نہیں

فرقہ سازی کا جذبۂ محرکہ

تھی کہ انہیں دین کی کسی حقیقت کے سمجھنے میں غلطی لگ جاتی تھی۔ کوئی شق مشتبہ اور مبہم رہ جاتی تھی۔ خدا کی طرف سے دیئے ہوئے علم میں اشتباہ و ابہام کا کیا کام؟ یہ فرقہ سازی محض ہوسِ اقتدار کی تسکین کے لئے ہوتی تھی۔ ان میں سے جن لوگوں کے دل میں لیڈر بننے کا شوق چرانا وہ اپنا فرقہ الگ بنا لیتے۔ پھر ہر فرقہ، دوسرے فرقہ سے آگے نکل جانا اور اس پر غالب آجانا چاہتا۔ اس سے باہمی کش مکش اور سر پھٹول شروع ہوجاتی اور یوں اس اُمّتِ واحدہ کے ٹکڑے ٹکڑے ہوجاتے اور اس کے ساتھ ہی دین بھی اس تشتت و افتراق کے پردوں میں گم ہوجاتا۔ اس سے یہ حقیقت بھی ہمارے سامنے آگئی کہ فرقہ بندی علم و بصیرت اور دلائل و براہین کی بناء پر وجود میں نہیں آتی۔ اس کی بنیاد جذبات پر ہوتی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ ہر فرقہ کے لوگ اپنے فرقہ کے برسرِحق ہونے کے ثبوت میں دلائل پیش کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ اور وہ کونسا جذباتی فیصلہ ہے جس کی تائید میں عقلِ فسوں ساز دلائل مہیا نہیں کر دیتی؟

(۷) نزولِ قرآن کے وقت دنیائے مذاہب کی یہی کیفیت تھی۔ (واضح رہے کہ دین تو ایک ہی ہوتا ہے لیکن جب فرقہ بندی میں اس کے ٹکڑے ہوجاتے ہیں تو انہیں مذاہب کہا جاتا ہے) قرآن

نزولِ قرآن کا مقصد

نے اپنے نزول کا مقصد یہ بتایا ہے کہ وہ ان تمام اختلافات کو مٹا کر، خدا کا دین قائم کرے گا اور فرقوں اور گروہوں میں بٹے ہوئے انسانوں کو ایک اُمّتِ واحدہ میں تبدیل کر دے گا۔ وَمَآ اَنزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِى اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لا ...... (۱۶/۶۴) "(اے رسول) تجھ پر یہ کتاب صرف اس لئے نازل کی گئی ہے کہ جن امور میں یہ لوگ باہمی اختلافات کرتے ہیں، تو اُن کی وضاحت کر دے"۔ اس کے بعد، جو لوگ اس دینِ واحد کی صداقت کو تسلیم کر لیں گے، یہ کتاب انہیں زندگی کے صحیح راستے کی طرف راہنمائی کرے گی اور اس طرح ان کے لئے موجبِ رحمت بن جائے گی — وَهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ○ (۱۶/۶۴) یعنی تبیانِ حقیقت تو تمام انسانوں کے لئے یکساں ہوگی لیکن ہدایت اور رحمت صرف انہیں کے لئے ہوگی جو اس صداقت پر ایمان لے آئیں گے۔

اس سے یہ حقیقت نکھر کر سامنے آگئی کہ قرآن کا مقصدِ اوّلیں اختلافات کو مٹا کر دین کی وحدت کا قیام ہے اور اختلافات کا مِٹ جانا خدا کی رحمت ہے۔ اسی نکتہ کی وضاحت دوسرے مقام پر ان الفاظ میں کر دی گئی کہ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً ..... (۱۱/۱۱۸) "اگر یہ مقصود ہوتا کہ تمام انسانوں کو مجبور کر کے ایک راستے پر چلا جائے تو خدا کے لئے ایسا کرنا کچھ مشکل نہیں تھا"۔ اس نے جس طرح دیگر حیوانات کو اس انداز سے پیدا کیا ہے کہ ہر نوع کا فرد اپنی نوع اور جماعت کے ساتھ رہتا ہے۔ اس سے کبھی اختلاف نہیں کرتا۔ (مثلاً تمام بھیڑیں ایک نہج سے زندگی

تمام شریک ہی راستے پر چلتے ہیں)۔ اسی طرح وہ انسانوں کو بھی جبلّی طور پر ایک ہی راستے

بالبصیرت وحدت

پر چلنے پر مجبور کر دیتا۔ لیکن اس نے ایسا نہیں کیا۔ اس نے انسانوں کو فکر و عمل کی آزادی دے رکھی ہے جس کے کہ وہ چاہیں تو اتحاد اور اتفاق کی زندگی بسر کریں اور چاہیں تو تشتّت و افتراق پیدا کر... کے ساتھ ہی انہیں بتا دیا گیا ہے کہ تشتّت و افتراق کی زندگی عذاب کی زندگی ہے اور ... بن کر رہنے کی زندگی رحمت اور سعادت کی زندگی۔ لیکن یہ وحدت اسی صورت میں حاصل ... سکتی اور قائم رہ سکتی ہے کہ تم اپنے دل کی رضامندی سے اور علیٰ وجہ البصیرت خدا کی کتاب ... ضابطۂ حیات بنالو۔ اگر تم نے ایسا کر لیا تو تم نے زندگی کے مقصد کو پا لیا۔ چنانچہ جو آیت ... درج کی گئی ہے اس کا اگلا حصّہ یہ ہے: وَلَا يَزَالُونَ مُخْتَلِفِينَ ۙ إِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ .. ان لوگوں کے سوا جو وحی کے مطابق زندگی بسر کرنے سے خدا کی رحمت کے سزاوار بن جائیں، باقی ایک دوسرے سے اختلاف کرتے رہیں گے حالانکہ انہیں پیدا اس لئے کیا گیا تھا کہ یہ (اپنی رضا و رغبت سے) اُمّتِ واحدہ بن کر رہیں۔ وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ ..... (۱۱/۱۱۸-۱۹)

اس آیت سے یہ حقیقت سامنے آگئی کہ

(۱) مقصودِ تخلیقِ انسانی یہ ہے کہ تمام انسان ایک اُمّت (ایک عالمگیر برادری) بن کر رہیں اور باہمی اختلافات پیدا نہ کریں۔

(۲) یہ اختلافات صرف وحیٔ خداوندی کے مطابق زندگی بسر کرنے سے مٹ سکیں گے۔ یہ زندگی رحمت کی زندگی ہے۔

(۳) جو لوگ وحی کے مطابق زندگی بسر نہیں کریں گے ان کے اختلافات مٹ نہیں سکیں گے یہ عذاب کی زندگی ہوگی۔

تفرقہ مت پیدا کر لینا

(۸) ان حقائق کی وضاحت کے بعد مسلمانوں سے کہہ دیا گیا کہ وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ..... "دیکھنا تم بھی کہیں ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے خدا کی طرف سے واضح حقائق مل جانے کے بعد، فرقے بنالئے اور آپس میں اختلاف کرنے لگ گئے"۔ وَأُولٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ (۳/۱۰۴) "یہ لوگ جو فرقوں میں بٹ جاتے ہیں اور آپس میں اختلاف کرنے لگ جاتے ہیں، ان پر سخت عذاب مسلّط کر دیا جاتا ہے"۔ اس کے بعد کی دو آیات میں قرآن نے بتایا ہے کہ اختلاف اور تفرقہ کی زندگی درحقیقت ایمان کے بعد کفر کی زندگی ہے اور روسیاہی کا موجب۔ اس کے برعکس، وحدت و ائتلاف کی زندگی سے سرخروئی نصیب ہوتی ہے اور خدا کی رحمت۔ يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوهٌ ۚ فَأَمَّا الَّذِينَ اسْوَدَّتْ وُجُوهُهُمْ أَكَفَرْتُمْ بَعْدَ إِيمَانِكُمْ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنتُمْ تَكْفُرُونَ ۝ وَأَمَّا الَّذِينَ

ابْيَضَّتْ وُجُوهُهُمْ فَفِي رَحْمَةِ اللَّهِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ○ (۳/۱۰۶-۱۰۵)

اِن آیات سے ظاہر ہے کہ فرقہ بندی اور باہمی اختلاف کی زندگی لعنت اور عذاب کی زندگی ہے۔ اور خدا کی رحمت ان پر ہوتی ہے جو ایک اُمّت بن کر رہتے اور اختلافات سے بچتے ہیں۔

ضمناً یہ بھی دیکھئے کہ قرآن نے اختلاف اور افتراق کا نتیجہ عذابِ عظیم بنایا ہے۔ عظیم کا لفظ جس بات سے آیا ہے اس میں دوام اور استمرار کا پہلو مضمر ہوتا ہے یعنی یہ عذاب وقتی اور ہنگامی نہیں ہوگا بلکہ استمراری اور دوامی ہوگا۔ جب تک فرقہ بندی رہے گی یہ عذاب بھی مسلّط رہے گا۔

فرقہ بندی شرک ہے

(۹) قرآن نے اس سے بھی آگے بڑھ کر، مسلمانوں سے کہہ دیا کہ وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۙ (۳۰/۳۱) دیکھنا! کہیں تم توحید پرست ہو جانے کے بعد پھر مشرک نہ بن جانا!!

یہ چیز بڑی تحیر انگیز اور (بظاہر) ناقابلِ فہم تھی کہ مسلمان، ایک خدا پر ایمان لانے کے بعد پھر مشرک کس طرح بن سکتے ہیں؟ کیا یہ بتوں کو پوجنا شروع کر دیں گے؟ قرآن کہتا ہے کہ نہیں۔ شرک بتوں کی پرستش ہی نہیں۔ جیسا کہ ہم بنی اسرائیل کی گئوسالہ پرستی کے قصّے میں دیکھ آئے ہیں، بت پرستی تو "شرکِ خفی" (کم درجے کا شرک) ہے۔ "شرکِ جلی" اور ہے۔ اس کی وضاحت میں بتا دیا کہ شرک ہو جانے سے مطلب یہ ہے کہ وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۙ مِنَ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا ۖ ...... یعنی ان لوگوں میں سے نہ ہو جانا جنہوں نے اپنے دین میں تفرقہ ڈال دیا اور فرقے بن گئے۔

اس فرقہ بندی سے ہوتا یہ ہے کہ كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ (۳۰/۳۱-۳۲) ہر فرقہ اس خیال میں مگن رہتا کہ میں حق پر ہوں اور باقی فرقے باطل پر ہیں۔ فرقہ پرستی کی یہ ایسی نفسیات ہے جس کا مشاہدہ ہم ہر وقت کر سکتے ہیں۔ اس آیت میں كُلُّ حِزْبٍ کے ٹکڑے کو خاص طور پر ذہن میں رکھئے کیونکہ یہ ایک اہم حقیقت کا پردہ کشا ہے جس کا ذکر آگے چل کر آئے گا۔

بہرحال قرآن نے اُمّتِ واحدہ سے کھلے کھلے الفاظ میں کہہ دیا کہ اگر تم نے دین میں فرقے پیدا کر لئے تو یہ توحید نہیں، شرک ہوگا۔ اور کوئی فرقہ یہ کہہ کر اس سے بری الذمہ نہیں ہو سکے گا کہ ہم اصلی اور حقیقی اسلام پر قائم ہیں اور دوسرے فرقے باطل پر ہیں۔ اسی بناء پر رسول اللہؐ سے کہہ دیا گیا کہ إِنَّ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِي شَيْءٍ ۚ ○ (۶/۱۶۰) "جو لوگ اپنے دین میں تفرقہ پیدا کر دیں، اور ایک فرقہ بن کر بیٹھ جائیں، اے رسول! تجھے ان سے کوئی تعلق نہیں"۔

فرقہ سازوں سے رسولؐ کا کوئی تعلق نہیں

یعنی فرقے بنانے والوں سے نہ خدا کا کوئی تعلق ہے (کیونکہ وہ توحید پرست نہیں رہتے مشرک ہو جاتے ہیں) اور نہ ہی خدا کے رسول کا ان سے کوئی واسطہ۔ کیونکہ رسول نے تو ایک دین قائم کیا اور ایک اُمّت بنائی تھی۔ یہ الگ اُمّت بنا لینے والے، درحقیقت ایک متوازی دین (نظامِ زندگی) کے حامل ہو گئے اس لئے انہیں اس رسول سے کیا تعلق؟

اس پر ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ رسول اللہؐ نے ایک امت بنائی جو دینِ حق پر قائم تھی۔ اس امت سے ایک فرقہ نکل کر الگ ہو گیا۔ اب ظاہر ہے کہ یہ نیا فرقہ شرک کے جرم کا مرتکب اور باطل پرست ہے۔ امت جو اپنے مسلک پر قائم ہے اسے ایک فرقہ ٹھہرا کر اسی جرم کا مرتکب قرار دے دینا تو کسی صورت درست نہیں ہو سکتا؟ یہ اعتراض اہم ہے لیکن اس کا جواب یا اس مشکل کا حل، ذرا آگے چل کر سامنے آئے گا۔

صلوٰۃ وجہِ جامعیت

(۹) سورۂ روم کی جس آیت میں کہا گیا ہے کہ وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ......... اس سے پہلے ہے: وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ۔ صلوٰۃ کو قائم رکھو، اور مشرکین میں سے نہ ہو جاؤ۔" یعنی ان میں سے جنہوں نے دین میں فرقے پیدا کر دیئے۔ اس سے ظاہر ہے کہ دین میں نظامِ صلوٰۃ وہ بنیادی حقیقت ہے کہ جب تک یہ قائم رہے، فرقے نہیں بن سکتے۔ یہی وجہ ہے جو قرآن نے کہا ہے کہ جب انبیاءؑ کے جانے کے بعد اُن کی امت فرقوں میں بٹ جاتی ہے تو وہ حقیقتِ صلوٰۃ کو ضائع کر دیتی ہے۔ اور اپنے جذبات کے پیچھے لگ جاتی ہے۔ فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ أَضَاعُوا الصَّلَاةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوَاتِ...... (19/59) اس کی زندہ شہادت خود ہماری اپنی حالت ہے۔ ہماری کیفیت یہ ہے کہ وہی صلوٰۃ جسے قرآن نے وحدتِ امت کا محکم ذریعہ بنایا تھا، آج مختلف فرقوں کی تمیز و تفریق کی علامت بن گئی ہے۔ چنانچہ اگر آپ نے دیکھنا ہو کہ فلاں شخص کس فرقے سے متعلق ہے تو یہ دیکھو کہ وہ نماز کس طرح پڑھتا ہے؛ (یہی وجہ ہے کہ جب طلوعِ اسلام کے خلاف اس کے مخالفین نے یہ پروپیگنڈہ شروع کیا کہ ایک نیا فرقہ ہے انہیں اپنے اس دعویٰ کی تائید میں یہ الزام بھی تراشنا پڑا کہ یہ لوگ تین وقت کی نماز پڑھتے ہیں اور ایک رکعت میں ایک ہی سجدہ ضروری سمجھتے ہیں۔ گویا انہوں نے ثابت یہ کرنا چاہا کہ چونکہ ان کی نماز اور فرقوں سے مختلف ہے اس لئے یہ ایک نیا فرقہ ہے۔ حالانکہ یہ سب بہتان تراشی اور افترا پردازی تھی۔ نہ طلوعِ اسلام کوئی الگ نماز تجویز کرتا ہے نہ الگ فرقہ بناتا ہے (جس کے نزدیک فرقہ سازی شرک ہو وہ بھلا خود فرقہ کیسے بن جائے گا؟)

بہرحال، یہ جملہ معترضہ تھا۔ ہم کہہ رہے تھے کہ قرآن نے صلوٰۃ کو امتِ واحدہ کے لئے وجہِ جامعیت قرار دیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ خود رسول اللہؐ کے زمانے میں بعض تفرقہ انگیزوں نے ایک نئی مسجد تعمیر کی

مسجدِ ضرار

تو قرآن نے جس شدت سے اس کی مخالفت کی اس کا اندازہ سورۂ توبہ کی متعلقہ آیات سے لگ سکتا ہے۔ سنیئے! اور غور سے سنیئے کہ قرآن اس باب میں کیا کہتا ہے: وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مَسْجِدًا ضِرَارًا....... (9/107) "جن لوگوں نے اس غرض سے مسجد تعمیر کرائی کہ اس سے ملتِ اسلامیہ اور خود دین کو نقصان پہنچایا جائے"۔ وَكُفْرًا "کفر کی حمایت کی جائے یا کفر کی روش اختیار کی جائے"۔ وَتَفْرِيقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِينَ ....." یعنی اس غرض سے کہ مسلمانوں میں تفرقہ پیدا کیا جائے۔ تم اس مسجد کو مسجد سمجھتے ہو؟ یہ مسجد نہیں۔ اِرْصَادًا

لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ ۭ ..... "یہ وہ کمین گاہ ہے جس میں بیٹھ کر وہ شخص جو اس سے پہلے خدا اور رسول (نظامِ خداوندی) کا دشمن تھا۔ ملت پر تیر اندازی کرے گا" یعنی یہ مسجد نہیں، یہ وہ قلعہ ہے جس کے اندر خدا اور رسول کے دشمن پناہ لے کر دین کے قصرِ مشید کو منہدم کرنے کی مذموم کوشش کریں گے۔ وَلَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّا الْحُسْنٰى ..... "یہ قسمیں کھا کھا کر کہیں گے کہ اس مسجد کی تعمیر سے ہمارا ارادہ بجز بھلائی کے اور کچھ نہیں۔ ہم دین کی خدمت کرنا چاہتے ہیں"۔ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ..... "تم ان کی باتوں میں نہ آنا۔ خدا گواہ ہے کہ یہ یکسر جھوٹے ہیں"۔ لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا ..... "اے رسول! تم اس مسجد میں ایک قدم بھی نہ رکھنا"۔ یہ مسجد تو یوں سمجھئے کہ دوزخ کے کنارے پر کھڑی ہے۔ جس نے اسے بنایا ہے اور جو اس میں داخل ہوگا۔ یہ ان سب کو لے کر جہنم کے عمیق گڑھے میں جا گرے گی۔ ($\frac{9}{107-109}$)

چنانچہ تاریخ اس کی شہادت دیتی ہے کہ رسول اللہؐ نے صحابہؓ کو بھیج کر اس مسجد کو منہدم کرا دیا۔

اِس واقعہ سے آپ اندازہ لگائیے کہ اسلام میں فرقہ بندی کس قدر شدید اور سنگین جرم ہے کہ (اور تو اور) اگر کسی مسجد کی تعمیر سے بھی فرقہ بندی کی جھلک پڑتی ہو، تو اس مسجد کا گرا دینا ضروری ہو جاتا ہے۔ مسجد گرائی جا سکتی ہے لیکن فرقہ کی طرح نہیں پڑنے دی جا سکتی کیونکہ فرقہ بندی بہ نصِ صریح شرک ہے اور شرکِ جلی۔

(۰)

اُمّتِ واحدہ کی تشکیل

(۱۰) یہ تھیں وہ کھلی کھلی ہدایات جو وحدتِ اُمّت کے سلسلہ میں مسلمانوں کو دی گئیں۔ انہی ہدایات کی بنا پر رسول اکرمؐ نے اُمّتِ واحدہ کی تشکیل فرمائی۔ یہ وہ اُمّت تھی جس کا نظام ایک تھا۔ خدا ایک، زندگی ایک، مرکز ایک تھا۔ دین ایک تھا۔ راستہ ایک تھا۔ نصب العین ایک تھا۔ ان میں کسی قسم کا اختلاف تھا نہ افتراق۔ یہی تھی وہ جماعت جس کے متعلق خدا نے کہا ہے کہ فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ۚ ..... ($\frac{3}{102}$) "اللہ نے تمہارے دلوں کو ایک دوسرے میں مدغم کر دیا۔ اور دین کے ذریعہ تمہیں ایک دوسرے کا بھائی بنا دیا"۔ رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ۔

اِس کے بعد اُمّت پر کیا گزری؟ یہ ایک حدیث ہے دلخراش اور داستان ہے جگر سوز۔ اس لئے تفصیل میں گئے بغیر، قرآن کے الفاظ میں صرف اتنا سن لیجئے کہ وَمَا تَفَرَّقُوْٓا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ۭ ..... ($\frac{42}{14}$) جس طرح اُممِ سابقہ نے، وحی کے مل جانے کے بعد، باہمی ضد اور سرکشی کے جذبے سے دین میں فرقے بنا ڈالے تھے، یہ بھی فرقوں میں بٹ گئے۔ قرآن کے اس قدر واضح، بیّن اور صریح احکام و ہدایات، تنبیہات و تاکیدات کی موجودگی میں، اُمّت کا فرقوں میں بٹ جانا یقیناً ایک تحیّر انگیز واقعہ ہے، لیکن اس حقیقت سے کسے انکار ہو سکتا ہے کہ اُمّت

فرقوں میں بٹی اور یہ فرقے اب تک موجود ہیں۔ اس مقام پر رہ کر یہ سوال سامنے آتا ہے کہ فرقوں میں بٹنے والے اپنی اس روش کے جواز میں بالآخر کوئی تو دلیل پیش کرتے ہی ہوں گے؟ جی ہاں! وہ دلیل پیش کرتے ہیں۔ غور سے سنیئے وہ دلیل کیا ہے نہ وہ کہتے ہیں کہ....

اختلاف اُمّتی رحمۃ

رسول اللہؐ نے فرمایا ہے کہ اِخْتِلَافُ اُمَّتِیْ رَحْمَۃٌ (میری اُمّت میں اختلاف رحمت ہے) آپ نے سوچا کہ یہ بات کیا ہوئی؟ یعنی وہ اختلاف جس کے متعلق قرآن نے واضح الفاظ میں کہا تھا کہ وہ خدا کا عذاب ہے۔ باعثِ کفر ہے۔ شرک ہے۔ اسی اختلاف کے متعلق کہا جاتا ہے کہ (معاذ اللہ) رسول اللہؐ نے اسے باعثِ رحمت قرار دیا! جو شخص ذرا بھی قرآنی تعلیم سے مس رکھتا ہو، وہ بلا ادنیٰ تامل کہہ دے گا کہ عربی زبان کا یہ فقرہ کبھی رسول اللہؐ کا ارشاد نہیں ہو سکتا۔ حضورؐ نے کبھی ایسا نہیں فرمایا ہوگا۔ یہ ناممکن ہے کہ خدا ایک چیز کو عذاب قرار دے اور اس کا رسول اُسے رحمت بتائے۔ لیکن آپ یہ کچھ کہتے رہیئے اور فرقہ پرست اپنی بات پر اڑے رہیں گے کہ نہیں ــــ رسول اللہؐ نے ایسا فرمایا اور ضرور فرمایا تھا۔ یہ محض اس لئے کہ اگر اس فقرے کو حدیثِ رسول اللہؐ نہ دیا جائے تو پھر فرقہ بندی کے لئے جواز کی راہ کوئی نہیں رہ جاتی۔ لیکن وہ جو قرآن نے کہا ہے کہ لوگ حقیقت کو طوعًا (بہ طیبِ خاطر) نہیں مانتے، حقیقت ان سے اپنے آپ کو کرہًا (مجبورًا) منوا لیتی ہے اس کی ایک مثال ہمارے سامنے ہے۔ عرصہ کی بات ہے کہ مرزائیوں کے خلاف یہ اعتراض کیا گیا کہ انہوں نے نیا فرقہ بنا کر اُمّت میں اختلاف پیدا کر دیا ہے۔ اس کے جواب میں انہوں نے کہا کہ اگر ہمارے کسی سے اُمّت میں اختلاف پیدا ہو گیا ہے تو اُمّت کو اس کے لئے ہمارا شکر گذار ہونا چاہیئے نہ کہ شکوہ سنج۔ لئے کہ حضورؐ نے فرمایا ہے کہ اختلافِ اُمّتی رحمۃ۔ ہمارا یہ نیا فرقہ اُمّت کے لئے مزید رحمتوں کا ف ہے۔

حدیث نہیں

آپ سوچیئے کہ ان کے اس جواب کا جواب الجواب کیا ہے سکتا ہے؟ اس کے جواب میں (جمعیتِ اہلِ حدیث کے ترجمان "الاعتصام") کو مجبورًا اختلافِ اُمّتی رحمۃ کوئی حدیث ہی نہیں۔ اس لئے اسے سند میں پیش نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن اب فقرے کو حدیث نہ قرار دینے سے کیا حاصل؟ اس نے جس قدر تباہی مچانی تھی اس ایک ہزار برس میں اس نے اُمّت کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے انہیں فرقوں اور گروہوں میں تقسیم کر کے مستقل جنگ و جدل کا پیدا کر دیا۔ اس نے ان کی سلطنتیں تباہ کر دیں۔ ان کی شوکت و عظمت کو تباہ کر دیا۔ ان کی دنیا اور دونوں خراب کر دیں۔ ایسی عظیم ہلاکتوں اور تباہیوں کے بعد اگر اس حقیقت کا اعتراف کیا گیا کہ یہ رسول نہیں ہے تو اس سے ان نقصانات کی تلافی کیا ہو گی؟ اس قسم کی ہیں وہ وضعی حدیثیں جن کے طلوع اسلام کہا کرتا ہے کہ یہ عجمی سازش کا نتیجہ ہیں، اور یہی ہے اس کا وہ جرم جس کی پاداش میں

مورخہ ۲ اگست ۱۹۵۷ء (مطبوعہ طلوع اسلام، بابت ستمبر ۱۹۵۷ء)۔

اسے گردن زدنی اور کشتنی قرار دیا جاتا ہے۔

لیکن یہ عجیب بات ہے کہ اس حدیث کو وضعی قرار دیئے جانے کے باوجود، اسے فرقہ بندی کے جواز میں برابر پیش کیا جاتا ہے۔

بہرحال، یہ تو جملہ معترضہ تھا۔ میں کہہ یہ رہا تھا کہ فرقہ بندی کے جواز میں، اختلافِ اُمتی رحمۃ کو بطور دلیل پیش کیا گیا۔ لیکن اس میں ایک سقم ہے وہ یہ کہ اس کی رُو سے تمام فرقے موجبِ رحمت، فلہٰذا حق پر قرار پاجاتے ہیں۔ اور فرقہ بندی اسے کبھی گوارا نہیں کرسکتی کہ ہر فرقہ کو سچا سمجھا جائے۔ لہٰذا اس کے لئے ایک اور حدیث وضع کی گئی جس میں کہا گیا کہ حضورؐ نے فرمایا تھا کہ میری اُمت میں تہتّر فرقے ہوں گے ان میں سے ایک فرقہ ناجی ہوگا۔ باقی سب جہنّمی ہوں گے۔ آپ نے غور فرمایا کہ اصل میں ایک فرقہ کی استثناء نے کس طرح ہر فرقے کو مطمئن کر دیا کہ وہ حق پر ہے اور باقی سب باطل پر ہیں۔

تہتّر فرقے (۷۳)

قرآن کریم نے فرقوں کے متعلق کہا تھا کہ کُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ..... ہر فرقہ اس زعمِ باطل میں مبتلا رہتا ہے کہ وہ حق پر ہے۔ یعنی قرآن نے "کل حزب" (تمام فرقے) کہہ کر اس چور دروازے کو بند کر دیا تھا جس کے راستے فرقہ پرستی کا جھوٹا اطمینان داخل ہوسکتا تھا لیکن اس وضعی روایت نے "ایک فرقہ" کی استثناء سے اس چور دروازے کو چوپٹ کھول دیا۔ چنانچہ ہماری ہزار سالہ تاریخ اس پر شاہد ہے کہ اسی استثناء کی آڑ میں ہر فرقہ اپنے آپ کو ناجی اور دوسرے فرقوں کو جہنّمی قرار دینے کے "جہادِ عظیم" میں مصروف چلا آرہا ہے اور ان کے خون کے چھینٹوں کو اپنے لئے وجہِ سرخروئی سمجھ رہا ہے۔

ایک دوسرے کے خلاف کفر کے فتوؤں کا مشغلہ روزِ اوّل سے جاری چلا آرہا ہے۔ فرقہ وارانہ فسادات کی جڑیں آئے دن وجہِ سوہانِ روح ہوتی ہیں۔ ان فسادات کی بیشتر بنیاد مساجد کی "تقسیم" ہوتی ہے۔ باہمی جھگڑے طول کھینچتے ہیں تو پولیس مسجد پر تالہ لگا دیتی ہے، مقدمہ عدالت تک پہنچتا ہے۔ اور اس تمام دنگہ فساد میں ہر فرقہ اپنے آپ کو ناجی اور فریقِ مقابل کو جہنّم کا کندہ قرار دیتا ہے، اور ستم ظریفی یہ کہ دونوں اپنے آپ کو اس اسلام کے پیرو قرار دیتے ہیں جس نے فرقہ بندی کو شرک قرار دیا تھا۔

(۰)

پس چہ باید کرد؟

(۱۱) سوال یہ ہے کہ ان حالات میں کیا کیا جائے؟ فرقے بہرحال موجود ہیں اور ان میں کوئی بھی اپنے آپ کو مٹانے کے لئے تیار نہیں، ہر فرقہ، فرقے مٹانے کی تدبیر یہ بتاتا ہے کہ دوسرے فرقے اپنے آپ کو اس فرقے میں شامل کرلیں اور یہ ظاہر ہے کہ اس کے لئے کوئی فرقہ بھی تیار نہیں۔ لہٰذا سوال یہ ہے کہ اس مشکل کا حل کیا ہے؟ یہ سوال بڑا اہم اور بڑا نازک ہے اس لئے اس پر گہرے غور و فکر کی ضرورت ہے۔

(۱) قرآن کا دعویٰ ہے کہ وہ ہر قسم کے اختلافات کو مٹانے آیا ہے۔

(۱۱) اس پر ہمارا ایمان ہے۔

(iii) قرآن ہمارے پاس اپنی اصلی شکل میں موجود ہے۔

اب آپ سوچئے کہ اگر ہم اس کے بعد بھی یہ کہتے ہیں کہ ہمارے اختلافات مٹ نہیں سکتے اور فرقے ختم نہیں ہو سکتے تو اس کی زد کہاں جا کر پڑتی ہے؟ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ (معاذ اللہ) قرآن میں اب اس کی صلاحیت نہیں کہ وہ اختلافات مٹا سکے۔ میں یہ پوچھتا ہوں کہ کیا آپ میں سے کوئی بھی ایسا کہنے کی جرأت کر سکتا ہے؟ لیکن اگر ہم یہ کہتے ہیں کہ اب ہمارے فرقے مٹ نہیں سکتے تو اس کے معنی اس کے سوا اور کیا ہو سکتے ہیں کہ ہم عملاً اس کا اعتراف کرتے ہیں کہ قرآن کا یہ دعویٰ صحیح نہیں کہ وہ فرقوں کو مٹا سکتا ہے! قرآن کی صداقت پر ہمارا ایمان ہے تو ہمیں سب سے پہلے اس خیال کو دماغ سے نکال دینا ہوگا کہ قرآن کے ہوتے ہوئے بھی فرقے نہیں مٹ سکتے۔ یاد رکھئے! قرآن کا ہر دعویٰ سچا ہے اور اس میں یہ صلاحیت موجود ہے کہ وہ اختلافات کو مٹا دے۔ اس کے بعد سوال صرف یہ رہ جاتا ہے کہ وہ طریق کیا ہے جس کے مطابق قرآن اختلافات کو مٹاتا ہے۔ آج سے کچھ عرصہ پہلے ہمارے ہاں (پنجاب میں) ایک جماعت پیدا ہوئی جس کا دعویٰ یہ تھا کہ وہ خالص قرآن پر عمل کرے گی اور اس طرح مسلمانوں میں پیدا شدہ اختلافات کو مٹا دے گی۔ یہ مقصد بڑا نیک اور یہ دعوے بڑا امبارک تھا۔ لیکن اس کا جو عملی نتیجہ ہمارے سامنے آیا وہ

فرقہ اہلِ قرآن

اس سے بالکل مختلف تھا۔ اس سے سابقہ فرقوں کا مٹنا تو کجا، ان میں ایک اور فرقے "اہلِ قرآن" کا اضافہ ہوگیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اختلافات مٹانے کے لئے قرآن نے جو طریق بتایا تھا وہ ان کی نگاہوں سے اوجھل رہا۔ اس لئے ان کی یہ کوشش ناکام رہی۔ بدقسمتی یہ کہ ان کی ناکامی نے خود قرآن کے مشن کو بڑا نقصان پہنچایا۔ اس طرح کہ اب اگر کسی سے کہا جاتا ہے کہ ہمارے اختلافات قرآن کی رُو سے مٹ سکتے ہیں تو اس کے جواب میں طنزاً یا ٹھنڈی سانس بھر کر کہہ دیتا ہے کہ صاحب! یہ نسخہ بھی آزمایا جا چکا اور ناکام ثابت ہو چکا ہے۔ یعنی ان حضرات کی ناکامی نے خود قرآن کے متعلق یہ خیال پیدا کر دیا کہ (معاذ اللہ) اس میں اس کی صلاحیت ہی نہیں رہی کہ یہ اختلافات کو مٹا سکے ؎

اختلافات مٹانے کا طریق

(۱۲) اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ قرآن اِن اختلافات کو مٹانے کا کیا طریق بتاتا ہے؟ سب سے پہلے تو یہ سمجھ لیجئے کہ قرآن یہ کہتا ہے کہ وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهُ إِلَى اللَّهِ ...... (۴۲/۱۰) "جس معاملہ میں بھی تمہیں اختلاف ہو اس کا فیصلہ (حکم) اللہ کی طرف سے ہونا چاہیئے۔" اس میں "حکم" کا لفظ غور طلب ہے۔ یعنی یہ انفرادی چیز نہیں کہ دو آدمیوں میں کسی بھی مسئلہ میں اختلاف ہو اور وہ اپنے طور پر قرآن سے فیصلہ لینے بیٹھ جائیں۔ متنازعہ فیہ امور میں حکم یا فیصلہ، ہمیشہ تیسرے مقام سے ملا کرتا ہے اسے حکم یا ثالث کہتے ہیں۔ اسی مقصد کے لئے قرآن نے رسول اللہ سے کہا تھا کہ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا

؎ محدث لاہور "اہلِ قرآن کی پھیلائی ہوئی گمراہیاں" کے عنوان سے ایک تفصیلی پمفلٹ شائع کر چکا ہے۔

شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ۝
(۴/۶۵) تیرا رب اس حقیقت پر شاہد ہے کہ یہ کبھی صاحبِ ایمان نہیں کہلا سکتے، جب تک یہ اپنے اختلافی امور
میں تجھے اپنا حَکم (فیصلہ دینے والا) تسلیم نہ کریں اور جو فیصلہ یہاں سے صادر ہو اُس کے خلاف اپنے دل
میں گرانی محسوس نہ کریں بلکہ اس کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیں۔"
یعنی قرآن سے فیصلہ انفرادی طور پر نہیں کیا جائے گا بلکہ اس کے لئے ایک زندہ اور محسوس ثالث
اور حاکم کی ضرورت ہوگی۔ اس فیصلہ کرنے والی اتھارٹی کو قرآن میں "اللہ اور رسول" کی جامع اصطلاح
سے تعبیر کیا گیا ہے۔ چنانچہ اس آیت سے چند آیات پہلے ہے: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا
اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ج .... "اے جماعتِ مومنین! تم اللہ اور
...... رسول کی اطاعت کرو۔ اور تم میں سے جنہیں (اللہ اور رسول کی طرف سے) صاحبِ اختیار بنایا
جائے ان کی اطاعت کرو۔ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ

زندہ مرکز

كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ .... (۴/۵۹) اگر تم میں کسی
معاملہ میں اختلاف پیدا ہو جائے تو (اسے اپنے طور پر حل کرنے کی کوشش نہ کرو بلکہ)
اسے "اللہ اور رسول" کی طرف لوٹا دو۔ اگر تم ایسا نہ کرو گے تو سمجھا جائے گا کہ تمہارا اللہ اور آخرت پر
ایمان ہے"۔ اِس کے معنی صاف یہ ہیں کہ دو افراد میں اختلاف تو ایک طرف، اگر افسرانِ ماتحت کے
کسی فیصلہ سے بھی اختلاف ہو تو اسے قرآنی نظام کی مرکزی اتھارٹی (اللہ اور رسول) کی طرف لوٹا دو۔
یہی شرطِ ایمان ہے۔ اگر ایسا نہ کیا جائے گا تو یہ کفر ہو جائے گا۔
ہم پہلے دیکھ چکے ہیں کہ قرآن نے تفرقہ اور اختلاف کو کفر سے تعبیر کیا ہے۔ اس کفر سے محفوظ رہنے
کی عملی شکل یہ بتائی گئی ہے کہ اُمّت کے پاس قرآن ہو اور قرآن کی روشنی میں فیصلہ دینے والا رسول۔
چنانچہ سورۂ آلِ عمران میں ہے: وَكَيْفَ تَكْفُرُوْنَ وَاَنْتُمْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ اٰيٰتُ اللّٰهِ
وَفِيْكُمْ رَسُوْلُهٗ ط ...... (۳/۱۰۰) "تم کس طرح کفر میں مبتلا ہو سکتے ہو؟ جبکہ حالت یہ ہے کہ
(i) تمہارے پاس کتاب اللہ موجود ہے اور (ii) اس کے ساتھ تم میں اس کا رسول موجود ہے"۔
اِس کے معنی یہ ہیں کہ جب تک اُمّت میں (i) قرآن، اور (ii) رسول موجود ہو فرقے پیدا نہیں
ہو سکتے۔

اس سے ہمارے سامنے ایک اور سوال آ گیا۔ اور وہ یہ کہ قرآن کی ان آیات سے تو یہ معلوم ہوا کہ
رسول اللہؐ کی موجودگی (یعنی زندگی) تک اُمّت نے فرقوں سے بچے رہنا تھا۔ لیکن آپ کے بعد فرقوں سے
محفوظ رہنے کی کوئی صورت نہیں تھی۔ کیونکہ فرقوں سے بچنے کے لئے قرآن اور رسول دونوں کی موجودگی کی
ضرورت تھی اور جب ان میں سے ایک جزو (رسول) موجود نہ رہا تو فرقہ بندی سے محفوظ رہنے کا امکان
بھی باقی نہ رہا۔
قرآن کہتا ہے کہ تم نے بات کو صحیح طور پر نہیں سمجھا۔ تم اس خیال میں ہو کہ "رسولؐ کی موجودگی"

وَفِيكُمْ رَسُولُهُ کے معنی

ہے کہ جب تک محمدؐ رسول اللہ تم میں زندہ موجود ہیں اُس وقت تک یہ شکل باقی رہے گی جب وہ وفات پاجائیں گے تو پھر "رسول" موجود نہیں رہے گا۔ یہ بات غلط ہے یہ سلسلہ رسول کی طبعی زندگی سے مشروط نہیں۔ اس کے بعد بھی قائم رہے گا۔ چنانچہ سورۂ آلِ عمران میں یہ کہہ کر اس کی صراحت کردی گئی کہ وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۚ أَفَائِن مَّاتَ أَوْ قُتِلَ انقَلَبْتُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ ۚ ..... "محمدؐ بجز اس نیست کہ اللہ کا رسول ہے۔ اس سے پہلے بہت سے رسول (اپنا فریضۂ پیغام رسانی ادا کرنے کے بعد) دنیا سے چلے گئے۔ سو اگر (کل کو) یہ وفات پاجائے یا قتل کردیا جائے تو کیا تم یہ سمجھ کر کہ یہ نظام اس کی زندگی تک محدود تھا) پھر اپنی سابقہ روش کی طرف لوٹ جاؤ گے"؟ وَمَن يَنقَلِبْ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ فَلَن يَضُرَّ اللَّهَ شَيْئًا ..... (۳/۱۴۴) "جو (رسول کی وفات پر) اپنی سابقہ روش پر لوٹ جائے گا تو وہ اللہ کو نقصان نہیں پہنچائے گا (اپنا ہی کچھ بگاڑے گا)۔

اس سے بات بالکل واضح ہوگئی۔ یعنی یہ کہ وَفِيكُمْ رَسُولُ اللَّهِ ..... سے مراد رسول اللہؐ کی طبعی زندگی نہیں۔ آپؐ کی وفات کے بعد بھی یہ سلسلہ بدستور باقی رہ سکتا تھا۔ جب رسول اللہؐ وفات

رسول اللہؐ کے بعد

پاگئے تو اُمّت میں کہرام مچ گیا۔ ایسا ہونا فطری امر تھا۔ شدّتِ جذبات میں بعض لوگوں کے دل میں یہ خیال پیدا ہوگیا کہ جس نظام کو رسول اللہ نے قائم فرمایا تھا، اب وہ ختم ہوگیا اس کے لئے وَفِيكُمْ رَسُولُهُ ..... کی شرط تھی۔ اس غلط فہمی کو رفع کرنے کے لئے حضرت ابوبکر صدّیقؓ برسرِ منبر تشریف لائے اور وَفِيكُمْ رَسُولُهُ ..... کا قرآنی مفہوم اس انداز سے سمجھا دیا کہ اس سے بہتر انداز کوئی ہو نہیں سکتا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ .... يَا أَيُّهَا النَّاسُ! من كان منكم يعبد محمدًا فانه قد مات۔ ومن كان يعبد الله فانه حي لا يموت "اے لوگو! جو تم میں سے محمدؐ کی محکومیت اختیار کئے تھا۔ اسے معلوم ہونا چاہیئے کہ اس کا معبود وفات پاگیا ہے لیکن جو خدا کی محکومیت اختیار کئے تھا۔ اس کا معبود زندہ ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گا"۔ اس کے بعد آپ نے وہی آیت پڑھی جو اوپر بیان ہوچکی ہے یعنی: وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ ..... اِس سے حقیقت بے نقاب ہوکر سامنے آگئی۔ حاضرین سمجھ گئے کہ رسول اللہؐ کی وفات کے بعد یہ نظام کس طرح قائم رہے گا۔ چنانچہ وہ اُٹھے اور انہوں نے فوراً خلیفۃ الرسول (یعنی رسول اللہ کے جانشین) کا انتخاب کیا اور اس طرح رسول اللہؐ کی وفات سے جو خلا پیدا ہوگیا تھا اُسے پُر کرلیا۔ اس لئے کہ یہ ظاہر ہے کہ کسی کے جانشین کی موجودگی خود اس کی

خلیفۃ الرسول کی حیثیت

اپنی موجودگی ہوتی ہے۔ اس طرح اُمّت میں "قرآن اور رسول" بدستور موجود رہے۔

اس مقام پہ اتنا اور واضح کردینا ضروری ہے کہ رسول اللہؐ کی وفات کے بعد اسلامی نظام قائم کرنے کے فریضہ کی ادائیگی پوری اُمّت کے ذمّے عائد ہوتی تھی۔ اس لئے کہ قرآن نے واضح الفاظ میں بتادیا تھا کہ

(i) کتاب اللہ کی وارث اُمّت ہے نہ کہ کوئی ایک فرد۔ سورۂ فاطر میں ہے: وَالَّذِیْٓ اَوْحَیْنَآ
اِلَیْکَ مِنَ الْکِتٰبِ ھُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْہِ۔ اِنَّ اللّٰہَ بِعِبَادِہٖ
لَخَبِیْرٌۢ بَصِیْرٌ۔ اللہ وہ ہے جس نے تیری طرف (اے رسول) یہ کتاب نازل کی جو ان حقیقتوں
کو سچ کر دکھانے والی ہے جو اس کے سامنے ہیں۔" ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْکِتٰبَ الَّذِیْنَ اصْطَفَیْنَا
مِنْ عِبَادِنَا۔۔۔۔ (۳۵/۳۱-۳۲) "اس کے بعد اس نے اس کتاب کی وراثت کے لئے اپنے بندوں
میں سے (اس اُمّت کو) منتخب کر لیا ہے۔" یعنی پہلی بات یہ ہے کہ قرآن کی وارث پوری کی پوری اُمّت
ہے۔ اس کے بعد آگے بڑھئے۔

(ii) رسول اللہؐ کا فریضہ یہ تھا کہ یَاْمُرُھُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْھٰھُمْ عَنِ
الْمُنْکَرِ۔۔۔۔ (۷/۱۵۷) وہ معروف کا حکم دیتا تھا اور منکر سے روکتا تھا۔ اب یہی فریضہ اُمّت کی
طرف منتقل ہو گیا۔ چنانچہ سورۂ آلِ عمران میں ہے: کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ
تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ۔۔۔۔ (۳/۱۰۹) "تم بہترین اُمّت ہو جسے نوعِ
انسانی کی فلاح و بہبود کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ تمہارا فریضہ یہ ہے کہ تم معروف کا حکم دو اور منکر سے روکو۔"

اُمّت کا نمائندہ

ان حقائق سے واضح ہے کہ رسول اللہؐ کی جانشین درحقیقت پوری کی پوری
اُمّت ہے۔ عملی انتظام کی سہولت کے لئے اُمّت اپنے میں سے بہترین فرد کو
اپنا نمائندہ بنا کر اس سلسلہ کو قائم رکھتی ہے۔ اس طرح اُمّت میں "کتاب اور رسول" بدستور باقی رہتے
ہیں۔ ان کی موجودگی میں اختلافات کے رونما اور فرقوں کے پیدا ہونے کا امکان ہی نہیں رہتا۔ چنانچہ
تاریخ اس پر شاہد ہے کہ دورِ خلافت میں نہ کوئی اختلاف پیدا ہوا نہ کسی فرقے نے جنم لیا۔ اس لئے کہ اس دور
میں کوئی ایک مثال بھی ایسی نہیں ملتی کہ کسی اختلافی معاملہ کے تصفیہ کے لئے افرادِ اُمّت از خود فیصلہ کرنے
بیٹھ گئے ہوں۔ اختلافی امور میں مرکزی اتھارٹی کی طرف رجوع کیا جاتا تھا۔ اور اس کے فیصلوں کی اطاعت
سب پر لازم تھی۔ اسی اتھارٹی کو خلافت علیٰ منہاجِ نبوت کہا جاتا ہے۔

ایک اہم سوال کا جواب

یہیں سے ہمیں اس سوال کا جواب بھی مل جاتا ہے جس کی طرف
میں نے شروع میں اشارہ کیا تھا۔ یعنی یہ سوال کہ اُمّت ایک
طریق پر قائم ہے۔ کچھ لوگ اس طریق سے اختلاف کر کے الگ فرقہ بنا لیتے ہیں، اس صورت میں اُمّت دو
فرقوں میں بٹ گئی۔ جن لوگوں نے الگ فرقہ بنا لیا وہ تو یقیناً مجرم ہیں لیکن جو پہلے طریق پر قائم رہے انہیں
تو مجرم نہیں قرار دیا جا سکتا؟ بالکل ٹھیک ہے۔ یہ ہے وہ دلیل جسے ہر فرقہ کی طرف سے یہ کہہ کر پیش کیا
جاتا ہے کہ ہم حقیقی اسلام پر قائم ہیں اور الگ فرقے دوسروں نے بنائے ہیں لیکن ایسا کہنے میں اس
حقیقت کو فراموش کر دیا جاتا ہے کہ جب تک "فِیْکُمْ رَسُوْلُہٗ" کی کیفیت رہے۔ یہ صورت
جسے یوں بیان کیا جاتا ہے، پیدا ہی نہیں ہو سکتی۔ اس وقت اگر کوئی جماعت اُمّت سے اختلاف کرے گی
تو رسولؐ کا جانشین قرآن کے اس حکم کے ماتحت کہ اِنَّ الَّذِیْنَ فَرَّقُوْا دِیْنَھُمْ وَکَانُوْا شِیَعًا

لَسْتَ مِنْهُمْ فِیْ شَیْءٍ ..... (۶/۱۶۰) اِس امر کا اعلان کر دے گا کہ اُمّت کو اس نئے فرقے سے کوئی سروکار نہیں۔ لہٰذا وہ اُمّت کا فرقہ کہلا ہی نہیں سکے گا۔ اُسے مسلمانوں سے کچھ واسطہ ہی نہیں رہے گا۔ وہ اسلام کے دائرہ سے خارج ہو گا۔ اس لئے اُمّت، اُمّتِ واحدہ ہی رہے گی۔ یعنی خلافت علیٰ منہاجِ نبوّت میں، مسلمانوں میں کوئی فرقہ پیدا ہی نہیں ہو سکے گا۔

بہرحال یہ تھی وحدتِ اُمّت کی وہ عملی شکل جسے قرآن نے رسول اللہؐ کی وفات کے بعد تجویز کیا تھا۔ اور جسے حضورؐ کی وفات کے بعد اختیار کیا گیا۔ لیکن کچھ عرصہ کے بعد یہ صورت قائم نہ رہی، خلافت کی جگہ ملوکیت نے لے لی۔ سلاطین نے اپنی مصلحتوں کے ماتحت سیاست کو مذہب سے الگ کر لیا۔ اس یکسر غیر قرآنی تقسیم کی رو سے سیاست سے متعلق امور کے فیصلے بادشاہ خود کرتے تھے۔ باقی رہی شریعت، سو اس کے متعلق اس کے سوا کوئی صورت ہی نہ تھی کہ لوگ انفرادی طور پر فیصلے کرتے۔ اس ضمن ایک اور دشواری سامنے آئی۔ قرآن نے "اللہ اور رسول" کی اطاعت کا حکم دیا تھا۔ "اللہ اور رسول" کا جو مفہوم قرآنی نظام میں لیا جاتا تھا۔ اس مفہوم کی اب گنجائش ہی نہ تھی۔ اس لئے کہ اب وہ نظام ہی باقی نہ تھا۔ لہٰذا اب "اللہ اور رسول" کی اطاعت کا کوئی نیا مفہوم لیا جانا ناگزیر ہو گیا۔ اللہ کی اطاعت کے متعلق تو سمجھ لیا گیا کہ اس سے مراد کتاب اللہ کی اطاعت ہے، لیکن رسولؐ کی اطاعت کس طرح کی جائے۔ یہ سوال مشکل تھا۔ اس کے حل کے لئے اس کے سوا کوئی صورت نظر نہیں آئی تھی کہ حضورؐ کی احادیث کی طرف رجوع کیا جائے۔ زمانۂ خلافت میں چونکہ اطاعتِ رسول کا عملی مفہوم سامنے تھا۔ اس لئے احادیث کے جمع اور مرتب کرنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوئی تھی۔ لیکن اب اس کی ضرورت پڑ گئی لہٰذا احادیث کے مجموعے مرتب کئے گئے۔ اب "اللہ اور رسول" کی اطاعت کا طریق یہ قرار پایا کہ قرآن اور حدیث کی رُو سے متنازع فیہ امور کے فیصلے انفرادی طور پر کئے جائیں۔ ان انفرادی فیصلوں میں اختلاف ناگزیر تھا۔ اس لئے مختلف فرقوں کے نزدیک "قرآن اور حدیث" کے فیصلے مختلف ہو گئے۔ ان اختلافات کو مٹانے کے لئے مناظرے اور مباحثے شروع ہو گئے اس کا جو نتیجہ نکلا وہ ہمارے سامنے ہے یعنی:-

مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

چنانچہ آج حالت یہ ہے کہ اُمّت میں بیسیوں فرقے موجود ہیں۔ اور ہر فرقہ خدا اور رسول کی اطاعت کا مدعی اور حقیقی اسلام پر کاربند ہونے کا دعویدار ہے اور چونکہ اختلافات مٹانے والی کوئی زندہ اتھارٹی موجود نہیں۔ یعنی "فِیْکُمْ رَسُوْلُہٗ" کی شکل باقی نہیں۔ اس لئے کوئی فیصلہ نہیں دے سکتا کہ کون غلط کہتا ہے اور کون صحیح۔

میرا خیال ہے کہ اب ہم اس مقام تک پہنچ گئے ہیں جہاں ہمیں اس سوال کا جواب از خود مل جائے گا کہ اُمّت میں وحدت پیدا کرنے کی شکل کیا ہے؟ اس کی شکل یہ ہے کہ جس نظام کے گم ہو جانے سے فرقہ بندی شروع ہوئی تھی، اس نظام کو پھر قائم کر دیا جائے۔ اس کے لئے پہلا قدم یہ ہے کہ اس فکر کو عام

کیا جائے کہ فرقوں کی موجودگی اور اسلامی زندگی دو متضاد چیزیں ہیں جو قرآن کی رُو سے ایک جمع نہیں ہو سکتیں اور فرقوں کو مٹا کر اسلامی زندگی پیدا کرنے کا طریق، قرآنی نظام (خلافت علیٰ منہاجِ نبوّت) کے قیام کے سوا کوئی نہیں۔ طلوعِ اسلام کے سامنے یہی مقصد ہے اور اسی کے حصول کے لئے یہ مصروفِ جدّ و جہد ہے۔

لیکن اگر کوئی شخص یہ سمجھتا ہے کہ اب قرآنی نظام کے قیام کا کوئی امکان نہیں، تو اسے کم از کم اپنے آپ کو اس فریب میں مبتلا نہیں رکھنا چاہیئے کہ ہماری موجودہ زندگی اسلامی زندگی ہے۔ یا (فرقوں کے باوجود) اسلامی ہو سکتی ہے۔ مجھے اس کا احساس ہے کہ آپ اس حقیقت کو سامنے لانے کے لئے بآسانی تیار نہیں ہوں گے۔ آپ اسے کبھی تسلیم نہیں کرنا چاہیں گے کہ فرقوں کی موجودگی میں اسلامی زندگی بسر نہیں ہو سکتی۔ آپ کے نزدیک قابلِ قبول یہی مسلک ہوگا کہ تمام فرقوں میں سے ایک فرقہ حق پر ہے، اس سے آپ کو یہ اطمینان حاصل ہو جاتا ہے کہ جس فرقے سے میں متعلق ہوں وہ حق پر ہے، لہذا اس کے مطابق زندگی اسلامی ہے۔ جو نظریہ آپ سے اس اطمینان کو چھینتا ہے، وہ آپ کے نزدیک قابلِ قبول نہیں ہو سکتا۔ آپ کو اس کے خلاف غصّہ آئے گا لیکن آپ کا یہ غصّہ خود قرآن کے خلاف ہونا چاہیئے جو فرقہ بندی کو شرک قرار دیتا ہے نہ کہ اس کے خلاف جو قرآن کی اس تعلیم کو آپ کے سامنے پیش کرتا ہے۔ یا تو آپ یہ کہیئے کہ یہ قرآن کی تعلیم نہیں اور اگر آپ اس کی تردید نہیں کر سکتے تو پھر آپ کے برافروختہ ہو جانے سے قرآنی حقیقت اپنی جگہ سے بدل نہیں جائے گی۔

یاد رکھئے! جب تک آپ اس تلخ حقیقت کو گوارا نہیں کر لیتے کہ فرقہ بندی کی زندگی قطعاً اسلامی زندگی نہیں، آپ قرآن کے بتائے ہوئے صراطِ مستقیم پر نہیں آ سکتے۔ قرآن کی رُو سے صراطِ مستقیم ایک ہی ہے۔ جب اُمّت مختلف راستوں پر چل نکلے تو پھر وہ صراطِ مستقیم کسی کے سامنے بھی نہیں رہتا۔ سورۃ انعام میں اس حقیقت کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے کہ وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ج وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِیْلِهٖ ۭ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ (۶/۱۵۴) یاد رکھو! میرا یہی ایک سیدھا راستہ ہے۔ پس تم سب اس کا اتباع کرو۔ اس کے سوا دوسرے راستوں پر نہ چلو۔ وہ راستے تمہیں اس صراطِ مستقیم سے متفرق اور پراگندہ کر دیں گے۔ اللہ نے تمہیں اس کا حکم دیا ہے تاکہ تم تقویٰ شعار رہ سکو۔"

(۰)

بات پھر پھرا کر وہیں آ گئی کہ

(۱)۔ فرقے صرف اسلامی نظام میں مٹ سکتے ہیں۔

(۲)۔ اسلامی نظام کے معنی ہیں ایک ایسی مملکت کا قیام جو قرآنی اصولوں کے مطابق وجود میں آئے اور جس کا تمام کاروبار قرآنی حدود و قیود کے اندر رہتے ہوئے سرانجام پائے۔

(۳) اس مملکت کی طرف سے جو قوانین نافذ ہوں گے، ان کا اطلاق مملکت کے تمام مسلم باشندوں پر یکساں ہوگا۔ اس میں نہ کوئی فرقہ ہوگا نہ کسی فرقہ کی الگ فقہ۔ قرآن سب کا ضابطۂ قوانین ہوگا۔

قرائن بتا رہے ہیں کہ اس قسم کی قرآنی مملکت کے قیام کے لئے موجودہ مسلمان کبھی راضی نہیں ہوں گے کیونکہ، یہ سب فرقوں میں بٹے ہوئے ہیں اور کوئی فرقہ اپنی فقہ کو چھوڑنے پر آمادہ نظر نہیں آتا۔ اس سے آپ لامحالہ اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ ہم (موجودہ مسلمانوں) میں نہ ایسا نظام قائم ہو سکتا ہے، نہ فرقے مٹ سکتے ہیں۔

اس کا عملی مفہوم یہی ہے کہ اسلامی نظام اُس قوم میں قائم ہو سکے گا جو مندرجہ بالا اصول کو تسلیم کرتے ہوئے اسلام لائے گی ——— خواہ وہ موجودہ مسلمانوں میں سے ہوں اور خواہ پہلی بار اسلام لائے۔ قرآن کریم نے مسلمانوں کو بھی جو ایمان لانے کے لئے کہا ہے تو اس سے یہی مراد ہے۔ ارشاد ہے:-

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا آمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي نَزَّلَ عَلَىٰ رَسُولِهِ ..... (۴/۱۳۶)

اے مسلمانو! تم، ایمان لاؤ اللہ پر، اس کے رسول پر اور اس کتاب پر جسے خدا نے اپنے رسول پر نازل کیا تھا۔

یہ، از سرِ نو ایمان لانا درحقیقت، فرقہ وارانہ زندگی کو خلافِ اسلام تسلیم کر کے، قرآنی نظام کے قیام کی طرف پیش رفت کے لئے قدم اٹھانا ہے۔

یہ مرحلہ بڑا دشوار گذار نظر آتا ہے لیکن اس کے سوا احیاءِ اسلام کی کوئی صورت نہیں۔ اگر ہم اپنی موجودہ غیر اسلامی زندگی کو اسلامی کہہ کر اپنے آپ کو فریب دیتے ہیں، تو اس سے ہماری زندگی، اسلامی نہیں ہو جائے گی! اسلامی زندگی کے لئے "اُمّتِ واحدہ" (جس میں کوئی فرقہ نہ ہو) بنیادی شرط ہے، اور یہ صرف قرآنی مملکت میں ممکن ہے۔

اطلاعِ عام

ادارہ طلوعِ اسلام کا فون نمبر ——— ۸۷۶۲۱۹

ادارہ طلوعِ اسلام کا فیکس نمبر ——— متوقع

ادارہ طلوعِ اسلام کا اکاؤنٹ نمبر ——— ۵۴-۳۹۷۲

حبیب بنک لمیٹڈ

گلبرگ برانچ لاہور

ہفتہ وار چھٹی ——— بروز ہفتہ

پرچے سے متعلق استفسار کے لئے خریداری نمبر لکھنا نہ بھولئے

ناظمِ ادارہ

راجہ عبدالرزاق عادل

دستورِ پاکستان اور نفاذِ اسلام

مملکتِ خداداد پاکستان کے دستور میں "اقرار"! "بانیٔ پاکستان قائداعظم محمد علی جناحؒ کے اس اعلان سے وفاداری کے ساتھ کہ پاکستان عدلِ عمرانی کے اسلامی اصولوں پر مبنی ایک ..... جمہوری مملکت (مشاورتی یا شورائی ریاست) ہوگی"۔ اس امر کی نشاندہی ہے کہ مملکتِ خداداد پاکستان میں الدینِ اسلام (۳/۱۹) کما حقہٗ نافذ ہوگا۔ چنانچہ اس عظیم اور مقدس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے مملکت کے دستور میں درج ذیل تمہیدی پیراگراف اور دفعات بطور ضمانت شامل کی گئی ہیں۔

ا۔ چونکہ اللہ تبارک تعالیٰ ہی پوری کائنات کا بلاشرکتِ غیرے حاکمِ مطلق[1] ہے (۱۸/۲۶؛ ۱۲/۴۰) اور پاکستان کے جمہور (عامۃ الناس) کو جو اختیار و اقتدار (قوتِ نافذ ۲۲/۴۱) اس کی مقرر کردہ (۵/۴۸) حدود کے اندر استعمال کرنے کا حق ہوگا۔ وہ ایک مقدس امانت ہے۔

ب۔ چونکہ پاکستان کے جمہور کی منشاء ہے کہ ایک ایسا نظام قائم کیا جائے جس میں مملکت اپنے اختیارات و اقتدار کو جمہور کے منتخب کردہ (قابلِ مشورہ) نمائندوں کے ذریعے استعمال کرے گی۔.....

ج۔ جس میں جمہوریت (مشاورت یا شورائیت) آزادی، مساوات، رواداری اور عدلِ عمرانی کے اصولوں پر جس طرح اسلام نے ان کی تشریح کی ہے، پوری طرح عمل کیا جائے گا۔

د۔ جس میں مسلمانوں کو انفرادی اور اجتماعی حلقہ ہائے عمل میں اس قابل بنایا جائے گا کہ وہ اپنی زندگی کو اسلامی تعلیمات و مقتضیات کے مطابق، جس طرح قرآن پاک اور سنّت (اسوۂ حسنہ) میں ان کا تعین کیا گیا ہے ترتیب دے سکیں۔

---

[1] حاکمیتِ مطلق (اقتدارِ اعلیٰ) سے متعلق وضاحت ضروری ہے۔ یہ وضاحت حضرت قائداعظمؒ کے قولِ حیدرآباد دکن عثمانیہ یونیورسٹی ۱۹۴۱ء سے بہتر شاید ہی ممکن ہو۔ متعلقہ قول اس مضمون کے صـ۳ سطر ۱۳ سے شروع ہو کر سطر ۱۷ تک درج ہے۔

دفعہ ۱ (۱) مملکتِ پاکستان ایک وفاقی جمہوریہ ہوگی، جس کا نام اسلامی جمہوریہ پاکستان ہوگا..... جسے بعد ازیں پاکستان کہا جائے گا۔

(۲) اسلام پاکستان کا مملکتی مذہب (دین) ہوگا۔

(۲الف) ضمیمہ میں نقل کردہ قراردادِ مقاصد میں بیان کردہ اصول اور احکام کو بذریعہ ہذا دستور کا مستقل حصہ قرار دیا جاتا ہے اور وہ بحیثیت متاثر ہوں گے۔

۸۔ (۲) مملکت کوئی ایسا قانون وضع نہیں کرے گی جو بایں طور عطا کردہ حقوق کو سلب یا کم کرے اور ہر وہ قانون جو اس شق کی خلاف ورزی میں وضع کیا جائے اس خلاف ورزی کی حد تک کالعدم ہوگا۔

۱۷۔ (۱) پاکستان کی حاکمیتِ اعلیٰ یا سالمیت، امنِ عامہ یا اخلاق کے مفاد میں قانون کے ذریعے عائد کردہ معقول پابندیوں کے تابع، ہر شہری کو انجمنیں یا یونینیں بنانے کا حق ہوگا۔

(۲) ہر شہری کو جو ملازمتِ پاکستان میں نہ ہو، پاکستان کی حاکمیتِ اعلیٰ یا سالمیت کے مفاد میں قانون کے ذریعے عائد کردہ معقول پابندیوں کے تابع کوئی سیاسی جماعت بنانے یا اس کا رکن بننے کا حق ہوگا۔

۳۱ (۱) پاکستان کے مسلمانوں کو انفرادی اور اجتماعی طور پر اپنی زندگی اسلام کے بنیادی اصولوں اور اساسی تصورات کے مطابق مرتب کرنے کے قابل بنانے کے لئے اور انہیں ایسی سہولتیں مہیا کرنے کے لئے اقدامات کئے جائیں گے جن کی مدد سے وہ قرآنِ پاک اور سنت کے مطابق زندگی کا مفہوم سمجھ سکیں۔

۲۰۳د (۱) عدالت (وفاقی شرعی عدالت) یا تو خود اپنی تحریک پر یا پاکستان کے کسی شہری یا وفاقی حکومت یا کسی صوبائی حکومت کی درخواست پر اس سوال کا جائزہ لے سکے گی کہ آیا کوئی قانون یا قانون کا کوئی حکم ان اسلامی احکام کے منافی ہے یا نہیں جس طرح کہ قرآنِ پاک اور رسول اللہ کی سنت میں ان کا تعین کیا گیا ہے جن کا حوالہ بعد ازیں اسلامی احکام کے طور پر دیا گیا ہے۔

۲۲۷۔ (۱) تمام موجودہ قوانین کو قرآن پاک اور سنت میں منضبط اسلامی احکام کے مطابق بنایا جائے گا جن کا اس حصے میں بطور اسلامی احکام حوالہ دیا گیا ہے۔ اور ایسا کوئی قانون وضع نہیں کیا جائے گا جو مذکورہ احکام کے منافی ہو۔

تشریح[1]: کسی مسلم فرقے کے قانون شخصی پر اس شق کا اطلاق کرتے ہوئے عبارت "قرآن و سنت" سے مذکورہ فرقے کی کی ہوئی توضیح کے مطابق قرآن اور سنت مراد ہوگی۔

---

[1] یاد رہے یہ تشریح (۱) ملتِ اسلامیہ کے اندر دین میں اختلافِ رائے کی بنیاد پر فرقہ واریت (شیعہ) کو آئینی و قانونی

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

مملکتِ خداداد پاکستان کے آئین میں مندرجہ بالا تمہیدی پیراگراف اور دفعات کا تقاضا ہے کہ مملکت کے نظام کو چلانے کا علم و عمل سیاست (الحکمت) ان احکام اور اصولوں کے تابع ہو جو قرآن کریم اور اسوۂ حسنہ (سنتِ رسول محمدؐ رسول اللہ) میں آخری، مکمل اور محفوظ ہیں۔

چنانچہ پیراگراف (ا) میں اللہ تعالیٰ کی بلاشرکتِ غیرے حاکمیت تسلیم کی گئی ہے وہ ارشاداتِ الٰہی" یاد رکھو! اختیارات و اقتدارات کا واحد مالک اللہ ہے اس کے سوا حکومت کا حق کسی کو حاصل نہیں (۱۲/۴۰)۔ فلہٰذا" اس کے حکم کے ساتھ کسی اور کے حکم کو شریک نہیں کیا جا سکتا (۱۸/۲۶) کے مطابق ضروری ہے کہ مملکتِ خداداد پاکستان میں الحکمت پر مبنی نظام کار کا تعین کیا جائے جو اللہ کے اختیارات و اقتدارات (الحکم) کو کماحقہ ...... نافذ العمل کرنے میں ممد و معاون ہو۔

اب ظاہر ہے متعلقہ نظام کار اسوۂ حسنہ! (قرآن کریم کی زبان میں) فرمانِ رسولؐ .... "میں تو! ہر صورت میں وحیٔ خداوندی کا اتباع کرتا ہوں" (۶/۵۰ ؛ ۷/۲۰۳ ؛ ۱۰/۱۵ ؛ ۴۶/۹) کے مطابق، ارشادِ خداوندی (اے رسولؐ!) تم ان کے فیصلے (حکومت کا قیام) بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ (قرآنی احکام اور اصولوں) کے مطابق کرو۔ قرآنی احکام اور اصولوں کی حکمرانی پر مبنی ہوگا۔

بدیں صورت! بقول قائداعظمؒ محمد علی جناح "اسلامی حکومت کے تصور کا یہ امتیاز ہمیشہ پیشِ نظر رہنا چاہیئے کہ اس میں اطاعت اور وفاکیشی کا مرجع خدا کی ذات ہے جس کی تعمیل کا عملی ذریعہ قرآنِ مجید کے احکام اور اصول ہیں، اسلام میں اصلاً نہ کسی بادشاہ کی اطاعت ہے نہ پارلیمان کی، نہ کسی اور شخص یا ادارے کی، قرآنِ کریم کے احکام ہی سیاست و معاشرت میں ہماری آزادی اور پابندی کے حدود متعین کر سکتے ہیں۔ اسلامی حکومت دوسرے الفاظ میں قرآنی احکام اور اصولوں کی حکمرانی ہے جس کے لئے لامحالہ آپ کو الگ خطۂ زمین ضرور چاہیئے۔ (عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد دکن ۱۹۴۱ء)

(سابقہ صفحہ کا فٹ نوٹ) طور پر تسلیم کرنا ہے جو نصِ قرآن (۳۲-۳۰/۳۱ ؛ ۶/۱۶۰) کے مطابق قرآنِ کریم میں منضبط فرقہ واریت سے متعلق ہدایات کا کھلا ہوا انکار ہے۔ (۲) اس تشریح سے قرآنِ کریم میں منضبط ہدایات اور احکامات کا غیر واضح اور ذو معنی ہونا بلکہ تضاد ثابت ہوتا ہے۔ (۳) قرآنِ کریم کا دعویٰ کہ اس کا متن عام فہم ہے (۵۴/۱۷) اس میں تصریف الآیات سے مطالب کو واضح کیا گیا ہے (۸۹ - ۱۷/۴۱) اور یہ کہ اس میں بیان کردہ احکام شکوک و شبہات سے پاک ہیں (۲/۲) کی بھی نفی ہوتی ہے۔ (۴) اس طرح آئینِ مملکت میں یہ اضافہ، خود آئین کی تمہید پیراگراف (د) میں اقرار بلکہ ضمانت کے خلاف ہے۔ نیز اسی اقرار کے تعلق سے آئین میں دی گئی ضمانت دفعہ ۳۱(۱) سے کھلا ہوا انحراف ہے اور دفعہ ۲۲۷(۱) کی جزوی تنسیخ بلکہ تخریب ہے جو دفعہ ۱۶(۱) میں درج ممانعت کو توڑنے کا ارتکاب ہے ؟؟؟

نیز! اسلامی جمہوریہ پاکستان کا دستور (اُردو ترجمہ شائع کردہ حکومتِ پاکستان، وزارتِ عدل و پارلیمانی امور" شعبہ عدل") کے صفحہ ۲ پر تمہیداً .... لہٰذا اب ہم جمہورِ پاکستان .... بانیٔ پاکستان قائداعظم محمد علی جناحؒ کے اس اعلان سے وفاداری کے ساتھ کہ پاکستان عدلِ عمرانی کے اسلامی اصولوں پر مبنی ایک جمہوری (شورائی) مملکت ہو گی!

مملکتِ خداداد پاکستان میں "اللہ تبارک وتعالےٰ کی بلاشرکتِ غیرے حاکیتِ مطلق" قائم کرنے کے لئے قرآنی احکام اور اصولوں کی حکمرانی (حاکمیتِ اعلیٰ SOVEREIGNTY) قائم کرنی ہو گی تاکہ جمہوریت (بمطابق و بزبانِ قرآن، شورائیت) آزادی، مساوات، رواداری اور عدلِ عمرانی کے اصولوں پر جس طرح اسلام نے ان کی تشریح کی ہے، پوری طرح عمل ہو سکے۔

بایں نمط! قرآنی احکام اور اصولوں کی حکمرانی، پاکستان کی حاکمیتِ اعلیٰ .... (THE SOVEREIGNTY OF PAKISTAN) ہی وہ مستقل قدر ہے۔ جس کی بنیاد پر عائد کردہ معقول پابندیوں کے تابع مملکتِ خداداد پاکستان میں مسلم افرادِ معاشرہ، انفرادی اور اجتماعی حلقہ ہائے عمل میں اپنی زندگی کو اسلامی تعلیمات و مقتضیات کے قابل بنا سکتے ہیں جس طرح قرآنِ پاک اور سنّت میں ان کا تعین کیا گیا ہے۔

اسلامی تعلیمات اور مقتضیات کی تفصیل پیش کرنے کی اس مضمون میں نہ تو گنجائش ہے اور نہ اس مضمون کے مرتّب کرنے کا یہ مقصد ہی ہے۔ البتہ اوپر درج دستور کی دفعہ ۱۴(۲) میں مملکتِ خداداد پاکستان کے شہریوں کو سیاسی جماعتیں بنانے یا ان کا رکن بننے کا حق دیا گیا ہے۔ اس حق سے متعلقہ پولیٹیکل پارٹیز ایکٹ ۱۹۶۲ء سیکشن(۴) میں مسلم افرادِ معاشرہ کو ایک سے زیادہ سیاسی جماعتوں کی صورت میں تنظیم و صف بندی کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔ اس اجازت کے قرآنی احکام اور اصولوں، پاکستان کی حاکمیتِ اعلیٰ سے ٹکراؤ کا تعین بہرحال ضروری ہے تاکہ اس اجازت سے پیدا شدہ صورتِ حال کا سدِّباب کیا جا سکے۔

مملکتِ خداداد پاکستان ایک نظریاتی مملکت ہے۔ لہٰذا، یہاں پر افرادِ معاشرہ کی تنظیم و صف بندی نظریہ کی بنیاد پر ہی ہو سکتی ہے۔ چنانچہ دفعہ ۱۷(۲) کے مطابق جماعتوں کا قیام (۱) ملّتِ اسلامیہ (۲) ملّتِ غیر اسلامیہ کی صورت میں ہی ہو سکتا ہے جو کہ نہ صرف قرآنی احکام اور اصولوں کے مطابق ہو گا بلکہ تحریک و قیامِ پاکستان کے بھی عین مطابق ہے ورنہ دوسرے کسی بھی تصوّر کو اپنانے سے جہاں تحریک اور قیامِ پاکستان کی نفی ہو گی، وہاں قولِ قائداعظمؒ "اسلامی حکومت دوسرے الفاظ میں قرآنی ...... احکام اور اصولوں کی حکمرانی" کے ساتھ ارشادِ الٰہی (اے رسولؐ!) میں ...... الحکم......

نے یاد رہے اس وقت اسلامی نظام کے قیام کے لئے سب سے بڑا مسئلہ طرزِ حکومت سے متعلق تعین کا ہے۔ بقول اصدرِ مملکت غلام اسحاق خان اس وقت دنیا میں کوئی پچاس مسلم ممالک ہیں لیکن ان میں ایک بھی اسلامی ریاست نہیں ہے..... ؟؟؟

اقتدارِ اعلیٰ کو بما انزل اللہ کے مطابق قائم کرنے سے بھی انحراف ہوگا۔ جو خود آئینِ مملکت میں قائدِ اعظمؒ کے "اعلان سے وفاداری" کے اقرار سے کھلے ہوئے انکار بلکہ غدّاری کے مترادف ہے۔

قرآنِ کریم میں اس دو ملّی نظام کو حزب اللہ (۲۲/ ۵۸) اور حزب الشیطان (۱۹/ ۵۸) سے موسوم کیا گیا ہے حزب اللہ سے مراد وہ لوگ ہیں جو دینِ اسلام پر نہایت سختی سے کاربند ہوں خواہ وہ دنیا کے کسی حصّہ میں ہوں اور حزب الشیطان وہ ہیں جو غیر اسلام دین کے مطابق زندگی بسر کرتے ہوں خواہ وہ کسی قوم اور ملک سے تعلق رکھتے ہوں۔ قرآنِ کریم میں سورۂ مومن میں احزاب (۴۰/۳۰) ان پارٹیوں کو کہا گیا ہے جنہوں نے خدا کے رسولوں کی مخالفت کی تھی۔ قرآنِ کریم کی رُو سے ہر وہ قوت جو قانونِ خداوندی سے سرکشی اختیار کرتی ہے شیطان ہے، خواہ وہ انسان کے اپنے بے باک اور سرکش جذبات ہوں اور خواہ نظامِ خداوندی کی مخالف جماعتیں اور ان کے سرغنے۔ سرکشی اور تخریب ان سب کی امتیازی خصوصیت ہے۔

قرآنِ کریم خاندان، قبائل اور قوموں کی ملّی تشکیل نظریۂ زیست یا نصب العین حیات کی بنیادوں پر کرتا ہے۔ قرآنِ کریم میں ہے۔ "سب لوگ (پہلے) ایک امّت (ملّت) تھے (پھر بوجوہ اختلاف) جُدا جُدا ہو گئے۔" (۱۰/۱۹) اللہ نے ان کی طرف پیغمبر بھیجے..... تاکہ جن امور میں لوگ اختلاف کرتے تھے..... ان میں ان کا فیصلہ کر دے" (۲/۲۱۳)۔ پس جنہوں نے وحیٔ خداوندی کے عطا کردہ احکام اور اصولوں (الحکم ۵/۴۸) کے سامنے سرِ تسلیم خم کیا وہ مسلم اور حزب اللہ کہلائے اور جنہوں نے اپنے بے باک اور سرکش جذبات کا اتباع کرتے ہوئے اللہ تعالےٰ کے الحکم، اقتدارِ اعلیٰ سے سرکشی اختیار کی، حزب الشیطان قرار پائے۔

چنانچہ جن لوگوں نے سرِ تسلیم خم کیا اور مسلم بن کر آپس میں سیسہ پلائی دیوار اور بھائی بھائی بن گئے ان کے لئے لازم ٹھہرا کہ وہ وحیٔ خداوندی کے عطا کردہ "الدّین" کو اجتماعی طور پر نظام کی صورت میں اختیار کریں اور اس معاملہ میں اختلافِ رائے کر کے دوبارہ جدا جدا نہ ہوں (۳/۱۰۲) لیکن اس کا کیا علاج کہ جہاں ہر پہلے آنے والے نبی و رسول کی امّت میں بوجوہ گروہ بندیاں (شِیَعًا) پیدا ہوئیں اور بعد میں آنے والوں نے اصلاحِ احوال فرمائی، وہاں آخری نبی و رسول حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظیم الشّان امّت میں بھی بوجوہ باہمی اختلافِ رائے گروہ بندی پیدا ہوئی جس سے نہ صرف وحدتِ امّت ختم ہوئی بلکہ الاسلام بطور الدّین ختم ہو کر مذہب میں تبدیل ہو گیا اور امّت تقسیم ہو کر گروہ در گروہ بٹ گئی ــــ اس طرح اسلام کا نظامِ امامت عہدِ طلبی اور وراثت بنیاد پر قائم خلافت کی وجہ سے مذہبی پیشوائیت اور ملوکیت میں بدل گیا۔

جب تک خلافت علیٰ منہاجِ رسالت و نبوّت، امامت کی صورت میں قائم رہی..... الدین الاسلام نافذ العمل رہا۔ جیسا کہ سورہ الانبیاء (۲۱/۷۳) میں ارشادِ الٰہی ہے۔ "اور ہم نے انہیں لوگوں کی امامت (لیڈرشپ، پیشوائیت) عطا

کہ وہ ہمارے قوانین کے مطابق ان کی رہنمائی، زندگی کے صحیح راستے کی طرف کرتے تھے۔ ہم نے ان کی طرف وحی کے ذریعے ایسے احکام بھیجے تھے جن کی رُو سے وہ اقامتِ صلوۃ اور ایتائے زکوٰۃ کا انتظام کرتے اور نوعِ انسان کی بھلائی کے کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے۔ وہ سب ہمارے احکام اور اصولوں کی اطاعت کرتے تھے"۔ نیز سورۃ الاحقاف (۴۶/۱۲) میں ارشادِ الٰہی ہے۔

> "ہم نے اس سے پہلے موسیٰ کی طرف جو کتاب نازل کی تھی وہ بھی اسی طرح صحیح راہنمائی کا ضابطہ تھی اور انسانوں کی نشوونما کا موجب (لیکن وہ اپنی اصلی شکل میں باقی نہ رہی)۔ اب یہ کتاب الٰہی دعاوی کو سچ کرکے دکھانے کے لئے بھیجی گئی ہے جو اس کتاب میں پیش کئے گئے تھے۔ اس کتاب کو نہایت واضح زبان (عربی) میں نازل کیا گیا ہے تاکہ اس کے ذریعے ان لوگوں کو جو حق وصداقت کی راہ چھوڑ کر ظلم واستبداد کا راستہ اختیار کرلیں۔ ان کی غلط روش کے تباہ کن نتائج سے آگاہ کیا جائے اور حسن کارانہ انداز سے زندگی بسر کرنے والوں کو ان کے اعمال کے خوشگوار نتائج کی بشارت دی جائے!"

مندرجہ بالا ہر دو آیاتِ کریمہ میں انبیاء کو راہ نما اور انہیں...... عطا کی جانے والی الکتٰب کو ضابطہ راہ نمائی قرار دیا گیا ہے۔ گویا کہ انبیاءؑ اللہ تعالیٰ کے اقتدارِ اعلیٰ، قرآنی احکام اور اصولوں کے مطابق، نظامِ زندگی کے راہ نما اور اس طرح سے قائم ہونے والا طرزِ حکومت، نظامِ امامت ٹھہرا ــــ جس میں بقول حضرت قائدِاعظمؒ " نہ کسی بادشاہ کی اطاعت ہے نہ پارلیمان کی، نہ کسی اور شخص یا ادارے کی"۔ قرآنِ کریم کے احکام اور اصول ہی سیاست اور معاشرت میں انسانی آزادی اور پابندی کے حدود متعین کرسکتے ہیں اور یہ کہ مملکتِ خداداد پاکستان کا خطۂ زمین صرف اور صرف اس عظیم اور مقدس مقصد کے لئے حاصل کیا گیا ہے۔

فلہٰذا، مملکتِ خداداد پاکستان میں قائم موجودہ سیکولر جمہوری نظام جس میں " عوام کی حکومت، عوام کی طرف سے عوام کے لئے " کا فلسفہ کارفرما ہے۔ نہ صرف اس فلسفہ کا قرآن وسنت سے کوئی تعلق نہیں بلکہ نظامِ امامت (خلافت علی منہاجِ نبوت) سے کھلا ہوا ٹکراؤ بھی ہے جس کی تفصیل کچھ اس طرح ہے؛

۱۔ سیکولر جمہوری نظام میں مذہب کا ریاست کے اقتدارِ اعلیٰ سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ اکثریت رائے کا فیصلہ ہی حرفِ آخر سمجھا اور تسلیم کیا جاتا ہے جبکہ خلفائے امامت " مذھب " (وحیٔ خداوندی پر مبنی الدین) سے متعلقہ احکام اور اصولوں کے تابع رہ کر نظامِ ریاست کو چلانے کے سزاوار ہیں۔

۲۔ جمہوریت میں جماعت بندی کی بنیاد اختلافِ رائے اور اشتراکِ اقتدار بلکہ اصل میں استحقاقِ عہدہ پر ہے یعنی عہدہ واقتدار مقصود بالذات ہیں جبکہ نظامِ امامت میں، الحکم، قرآنی احکام اور اصولوں کی حکمرانی مقصود بالذات

ہے، قیام اجتماعت، اختلاف رائے اور اقتدار (قوتِ نافذہ) ذات بالمقصود ہیں۔

۳۔ جمہوریت میں اختلاف رائے کی بنیاد پر گروہ بندی بنیادی حق بلکہ کاروبار اور ذریعہ معاش ہے جبکہ نظامِ امامت میں اختلافِ رائے برائے اصلاح تو ہو سکتا ہے کسی بھی نوع کی گروہ بندی کی بنیاد نہیں بن سکتا۔

۴۔ جمہوریت کا نظام جو اکثریتِ محض کی بنیاد پر صاحبِ وسائل عہدہ کے دلدادہ افراد کے لئے اقتدار و اختیارات کا ذریعہ بنتا ہے۔ آج تمام کرۂ ارض پر ہر طرف موجبِ شر و فساد ہے۔ اس شر و فساد کو صرف وہی نظام ختم کر سکتا ہے جو عہدہ طلبی[1]، اس کے لئے گروہ بندی[2] اور گروہ کو قائم رکھنے کے لئے گروہ نوازی[3] کی خباثت سے پاک و منزہ ہو، چونکہ اس خباثت سے پاک صرف نظامِ امامت ہے جس میں عہدہ طلبی نہ صرف جہنمی کردار ہے بلکہ اس ناپسندیدہ کردار کے لئے گروہ بندی اور گروہ نوازی بھی ممنوع ہے۔ اس واسطے نظامِ امامت ہی شر و فساد کو ختم کر کے امن و آشتی پیدا کر سکتا ہے۔

۵۔ جمہوری نظام میں مستقل حزبِ اختلاف کے تصور اور فلسفہ میں نہ صرف حق و باطل کا معیار و احترام پارٹی بازی میں مجروح ہوتا ہے بلکہ خود اکثریت کی بنیاد پر حق و باطل پرکھنے کا اصول بھی مذاق بن کر رہ جاتا ہے۔ مثلاً یہ کہ ایک پارٹی جو حزبِ اختلاف میں ہے اکثریت کے ساتھ اختلافِ رائے کے استحقاق سے الگ وجود اور مراعات کا مطالبہ تو کرتی ہے۔ لیکن جب خود اس کے اپنے افرادِ جماعت میں اختلافِ رائے پیدا ہو تو نہ صرف اس مخالفت کو اکثریت کی بنیاد پر ردّ کیا جاتا ہے بلکہ پارٹی ڈسپلن اور مفادات کو نقصان پہنچانے کے الزامات بھی لگائے جاتے ہیں جبکہ وہی افراد قومی یا ملی بنیاد پر اکثریتی فیصلوں کو نہ صرف قبول نہیں کرتے بلکہ پورے معاشرہ کو مستقل بنیادوں پر تقسیم رکھنے پر بوجہ اصرار بھی کرتے ہیں۔

اس طرح جمہوری نظامِ حکومت جو انسان کے بے باک اور سرکش جذبات پر مشتمل فکر و تدبر کے وضع کردہ سیاسی معاشرتی، سماجی اور معاشی حدود پر مبنی ہے۔ تمام نوعِ انسان کو مختلف شعبہ ہائے زندگی، رنگ، نسل، زبان، علاقہ اور نظامِ حکومت وغیرہ کے مطابق تقسیم در تقسیم کر کے، ہر طرف فساد کا موجب بنا ہوا ہے۔

یہ ایک انسان کی دوسرے انسانوں پر حکومت کی طرز کسی طرح بھی انسان ــ خلیفہ فی الارض (اختیار و

---

[1] (۲۸/۸۳) [2] (۳۲ ــ ۳۰/۳۱ ; ۶/۱۶۰) [3] (۵۹/۷)

(نوٹ) عہدہ و اقتدار بذاتِ خود حرام نہیں بلکہ عطاءِ الٰہی (۳/۱۳۸) اور سعادت (۲۲/۴۱) ہے۔ لیکن بصورتِ طلب و خواہش موجبِ فساد اور جہنمی کردار ہے (۲۸/۸۳) جس کا فاقہ گروہ بندی اور گروہ نوازی ہے۔ چنانچہ آج دنیا میں یہ عہدہ طلبی، گروہ بندی اور گروہ نوازی کی شکل فتنہ کی موجب (۲/۱۹۱) بنی ہوئی ہے ..... !!!

ادہ کی سزاوار مخلوق) کے شایانِ شان نہیں، بدیں صورت امامت کے مقدّس کردار پر مبنی نظامِ حکومت جو اقتدارِ اعلیٰ ی ضمانت پر مبنی احکام اور اصولوں کی حکمرانی کے تابع مرتب کردہ حدود کا عَلَم بردار اور اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کا سزاوار ہے نوعِ انسانی کو ہر قسم کی منفی تفریق سے نجات دلا سکتا ہے۔

یاد رہے۔ اسلام کے نزدیک (۸/۷، ۳/۳) آزادی صرف اس کا نام نہیں (کہ) آپ پر اپنے قبیلہ یا رنگ و نسل ملک و قوم کے افراد حکمرانی کریں بلکہ آزادی نام ہے اس نظام کا جہاں سیاست و معاشرت میں آزادی اور بندی کے حدود قرآنِ کریم کے احکام، اصولوں اور اقدار کے مطابق متعین ہوں اور حکومت انسان کی نہیں قرآنی کام اور اصولوں (۵/۴۸) کے مطابق صرف اور صرف اللہ (۴/۳۶) کی ہو...... جب کہ مملکتِ خداداد پاکستان قیام بھی اسی عظیم اور مقدّس مقصد کے لئے ہوا۔ (بحوالہ قائداعظم قول حیدر آباد دکن عثمانیہ یونیورسٹی ۱۹۴۱ء)

پس! آئینِ مملکت کی دفعہ ۱۷-(۱۰) کے مطابق جہاں تنظیم و صف بندی دو ملی نظریہ کے مطابق ہو سکتی ہے ں خود ملتِ اسلامیہ کے اندر دین میں اختلافِ رائے کی بنیاد پر جماعت سازی ہرگز نہیں ہو سکتی۔ خواہ اس کے ں میں مفروضہ نام نہاد دلائل کے انبار کیوں نہ لگا دیئے جائیں جن میں بتکرار پیش کئے جانے والے دلائل درج ذیل ں۔

۱۔ سیاسی جماعتیں تمام دنیا میں مسلّمہ حقیقت کے طور پر تسلیم اور معاشرتی زندگی کا جزو ہیں اور یہ کہ مملکت خداداد پاکستان کا قیام بھی ایک سیاسی جماعت اور جمہوری جدوجہد کے نتیجہ میں ہوا، جس کی رہنمائی اور قیادت کا اعزاز علامہ اقبالؒ اور قائداعظم محمد علی جناحؒ کو حاصل ہے ـــــ سیکولر نقطۂ نظر سے یہ دلائل یقیناً اپنے اندر بڑا وزن رکھتے ہیں۔ نیز مذاہب پرست طبقات کے لئے بوجوہ ان دلائل کے پردہ میں اپنے لیے ایک د سرکش جذبات، عقائد اور گروہی مفادات کے لئے ذہنی سکون اور تحفظ بھی کارفرما ہے۔ لیکن علومِ متعارفہ کے سامنے ان دلائل کی حیثیت پرکاہ کی بھی نہیں۔ مثلاً جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ سیاسی جماعتوں کے وجود کو دنیا میں حقیقت کے طور پر تسلیم کر لیا گیا اس لئے ناگزیر ہیں۔ کیا یہ حضرات بتا سکتے ہیں (کہ) جب دنیا نے مذہب کا ریاست کے ساتھ تعلق ختم کر دیا ہے تو پاکستان کے وجود کا کیا جواز ہے جبکہ یہ مملکتِ خداداد مذہب (دینِ اسلام) کی بنیاد پر قائم و دائم ہے۔ نیز تمام دنیا نے سودی نظام کو اپنایا ہوا ہے اور پاکستان میں اسے حرام قرار دیا گیا ہے...... اسی طرح مملکت خداداد پاکستان کا قیام تحریکِ پاکستان اور دو ملی نظریہ کے تحت جداگانہ انتخابات کی بنیاد پر وجود میں آیا اور نہ جمہور غیر مسلم اکثریت بلکہ خود نام نہاد مسلم سیاسی سیکولر بلکہ مذہبی جماعتیں آخر وقت تک تحریکِ پاکستان کے اس ملّی جہاد کے خلاف تھیں کیونکہ خلافت کے نام پر ملوکیت اور صدیوں کی غلامی نے انہیں الدّین اور مذہب کی تمیز سے محروم کر دیا تھا بلکہ آج ان کی باقیات ہیں تو مذہبی گروہ (شیعہ

(لہ فٹ نوٹ اگلے صفحہ پر دیکھئے)

لیکن دعوے اور نعرے نفاذِ دینِ اسلام کے اپنائے ہوئے ہیں۔ (للعجب)

حضرت علامہ اقبالؒ اور حضرت قائداعظمؒ ہر دو کی ذات کا جہاں تک تعلق ہے۔ اوّل الذکر کے مسلک و موقف سے متعلق یہ اشعار ہی صاحبِ بصیرت افراد کے لئے کافی ہیں۔

(۱) ؎ ہے وہی سازِ کہن مغرب کا جمہوری نظام — جس کے پردوں میں نہیں غیر از نوائے قیصری
دیو استبداد جمہوری قبا میں پائے کوب — تو سمجھتا ہے کہ آزادی کی ہے نیلم پری!

(۲) ؎ تا تہ و بالا نہ گردد ایں نظام — علم و حکمت، شرع و دیں سودائے خام
گر تو می خواہی مسلمان زیستن — نیست ممکن جز بقرآن زیستن!

اب جہاں تک حضرت قائداعظمؒ کے جمہوری کردار کا تعلق ہے وہ خود آپ کے لئے حرفِ آخر ثابت نہیں ہوا۔ قائد موصوف نے اپنی سیاسی سوجھ اور کردار کو کبھی جھوٹے وقار کا ذریعہ نہیں بنایا اور نہ ہی اس سلسلہ میں معذرت خواہانہ رویہ ہی اختیار فرمایا۔ تاریخ شاہد ہے کہ جہاں آپ شروع میں ایک کٹر نیشنلسٹ سیاست دان تھے وہاں ۱۹۳۴ء میں لندن سے واپسی کے بعد نہ صرف پورے خلوص اور دیانتداری سے دو قومی نظریہ (ملّتِ اسلامیہ اور ملّتِ غیر اسلامیہ) کے مؤید بنے۔ بلکہ صفِ اوّل کے رہنما بھی ثابت ہوئے اور یہ عظیم سعادت آپ کو اس قرآنی فکر کے صدقے نصیب ہوئی جو موصوف نے اپنے مطالعۂ قرآن اور پھر علامہ اقبالؒ کے ساتھ تعلقِ خاطر سے اپنائی۔ اس سلسلہ میں قائد کا یہ قول یقیناً حرفِ آخر ہے۔

"ہمارے متعلق بہت سی غلط فہمیاں پھیلائی جا رہی ہیں، بہت سے فتنے برپا کئے جا رہے ہیں کہ پوچھا یہ جاتا ہے کہ پاکستان میں اسلامی حکومت قائم ہوگی؟ ان بھلے مانسوں سے کوئی پوچھے کہ کیا یہ بھی کوئی ایسی بات ہے۔ جس سے متعلق پوچھنے کی ضرورت پیش آئے۔"

ب۔ ملّتِ اسلامیہ کے اندر سیاست کے تعلق سے گروہ بندی (سیاسی شِیَعًا) کیونکہ سیاست بھی اسلامی مملکت میں دین کا حصّہ ہے) کی جو سند پڑھے لکھے خاص کر وکلاء حضرات کی طرف سے پیش کی جاتی ہے وہ آئینِ مملکت کی دفعہ ۱۷۔(۲) میں سیاسی جماعت بنانے یا اس کا رکن بننے کا حق ہے لیکن یہ حضرات ذرا سوچنے اور سمجھنے کی تکلیف نہیں کرتے (کہ) یہ حق بلکہ ضمانت مشروط ہے غیر مشروط ہرگز نہیں۔ وہ یہ کہ یہ

(پچھلے صفحے کا فٹ نوٹ) یاد رہے اس وقت تمام ملّتِ اسلامیہ گروہ بندی (شِیَعًا) کی شکار ہے۔ اگر شیعہ، شیعہ ہیں تو سُنّی سُنّی شیعہ، اہلحدیث، اہلحدیث شیعہ، اسی طرح مسلم لیگی، لیگی شیعہ، پیپلز، پیپلز شیعہ اور جماعت اسلامی، جماعتی شیعہ، کیونکہ اسلامی مملکت میں سیاست بھی الدّین کا جزو لاینفک ہے۔ پس بایں صورت پوری ملّتِ اسلامیہ ارشاداتِ خداوندی (۳۲۔۳۰/۳۱؛ ۶/۱۶۰) سے کھلے ہوئے انحراف کی مرتکب ہے..... ؟؟؟

ضمانت پاکستان اور حاکمیتِ اعلیٰ اور سالمیت کے تابع ہے اور مملکتِ خداداد پاکستان کی حاکمیتِ اعلیٰ، قرآنی احکام اور اصولوں کی حکمرانی کی صورت میں قائم ہوتی ہے ـــ قرآنی احکام (۲۳ـ۳۱/۳۰ ؛ ۱۶۰/۶) کے مطابق دین میں اختلافِ رائے کی بنیاد پر گروہ بندی نہ صرف ممنوع ہے ...... بلکہ شرک اور نبوت و رسالت کے ساتھ اپنے تعلق کو ختم کرنا بھی ہے ـــ جہاں ... اصولوں (۴۱/۱ ؛ ۲۲/ ۱۰۲/۳) کا تعلق ہے) ـــ اجتماعی طور پر ملتِ اسلامیہ کو قوتِ نافذہ حاصل ہونے کے بعد ایک اور صرف ایک نظامِ مملکت و امامت کی صورت میں قیامِ صلوٰۃ و ایتائے زکوٰۃ اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا حکم ہے وہاں اس سلسلہ میں اختلافِ رائے کر کے گروہ بندی کی کسی طور بھی اجازت نہیں۔

نیز! مملکت اور امامت ـــ اسلامی حکومت کی عملی صورت (بقول حضرت قائداعظمؒ ـــ اسلامی مملکت میں اطاعت و وفاکیشی کا مرجع خدا کی ذات ہے جس کی تعمیل کا عملی ذریعہ قرآنِ مجید کے احکام اور اصول ہیں ـ کے لئے یک جہتی اور ناقابلِ تقسیم بنانے (سالمیت) سے متعلق جس قدر احکامات ہیں انہیں اس مضمون میں پیش کرنا مشکل ہے۔ اس لئے صرف دو تین آیاتِ کریمہ درج کی جاتی ہیں جو ملتِ اسلامیہ کے اندر افتراق و انتشار تقسیم (سیاسی جماعتوں کے خاصہ) کی نفی کرتی ہیں۔

۱۔ مومن وہ ہے جو انہیں جوڑتا ہے جنہیں جوڑنے کا خدا نے حکم دیا ہے۔ کافر انہیں ایک دوسرے سے الگ کرتا ہے ـــ (۲/۲۷، ۱۳/۲۱ و ۱۳/۲۵)۔

۲۔ مومن ایک دوسرے کے ساتھ سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح منضبط رہتے ہیں (۶۱/۴)۔

۳۔ لوگ اختلاف کرتے رہیں گے لیکن جن پر خدا کی رحمت ہوگی وہ ایسا نہیں کریں گے اور ان کی تخلیق کا مقصد بھی یہی ہے کہ وہ اپنے اختیار و ارادہ سے اپنے اختلافات مٹا کر رحمتِ خداوندی کے مستحق بن جائیں (۱۱/۱۱۸ ـــ ۱۹)۔

۴۔ خدا اور رسولؐ (نظامِ خداوندی، قرآنی احکام اور اصولوں کی حکمرانی) کی اطاعت کرو۔ باہمی تنازعات مت پیدا کرو۔ ورنہ تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی (۸/۴۶)۔

ج۔ ملتِ اسلامیہ کے اندر اختلافِ رائے کی بنیاد پر کسی نوع کی گروہ بندی خاص کر سیاسی جماعتیں جن کی بنیاد عہدہ طلبی ہے۔ اس طلب کو پورا کرنے کے لئے گروہ سازی اور گروہ کو قائم رکھنے کے لئے گروہ نوازی لازم و ملزوم ہیں۔ ملتِ اسلامیہ کے افراد کو انفرادی اور اجتماعی طور پر اپنی زندگی اسلام کے بنیادی اصولوں اور اساسی تصورات کے مطابق مرتب کرنے میں قدم قدم پر مانع ہیں۔ مثلاً عہدہ طلبی ارشادِ الٰہی (۲۸/۸۳) کے مطابق جہنمی کردار ہے، گروہ بندی مشرکانہ کردار ہے (۳۰/۳۱ ـــ ۳۲) اور گروہ نوازی، عذابِ خداوندی کو دعوت دینا ہے (۶/۶۵) ـــ قرآنِ کریم میں فرعون کو جس سب سے زیادہ ناپسندیدہ کردار کا مجرم ٹھہرایا گیا ہے وہ بنی اسرائیل کو پارٹیوں میں تقسیم

کرتا ہے (۲۸/۴) اور جب حضرت موسیٰؑ نے حضرت ہارونؑ سے کہا کہ تم نے بنی اسرائیل کو گوسالہ پرستی سے کیوں نہ روکا۔ انہوں نے جواب دیا کہ میں ڈرتا تھا کہ اس سے قوم میں تفرقہ پیدا ہو جائے گا (۲۰/۹۴)۔

لہٰذا، آئینِ مملکت کی دفعہ ۱۷۔ (۲) کے مطابق پولیٹیکل پارٹیز ایکٹ ۱۹۶۲ء سیکشن نمبر ۴ کے مطابق ملت اسلامیہ کے اندر سیاسی جماعتوں کی اجازت نہ صرف مملکتِ خداداد پاکستان کی حاکمیتِ اعلیٰ اور سالمیت کے خلاف ہے بلکہ آئین کی دفعہ ۳۱۔ (۱) کے بھی خلاف ہے جس میں مندرجہ بالا بنیادی اصولوں اور اساسی تصورات کے مطابق مسلمان افراد معاشرہ کو زندگی بسر کرنے سے متعلق سہولتیں مہیا کرنے کے لئے اقدامات کی ضمانت دی گئی ہے بلکہ یہ امر آئینِ مملکت کی دفعہ ۲۲۷۔ (۱) جس میں تمام موجودہ قوانین کو قرآن پاک اور سنت میں منضبط اسلامی احکام کے مطابق بنانے کو کہا گیا ہے اور جنہیں آئین کی دفعہ ۲۰۳ د۔ (۱) کی رُو سے وفاقی شرعی عدالت کو اختیار دیا گیا ہے (کہ) وہ اس دفعہ ۲۰۳ د۔ (۱) یا دفعہ ۸۔ (۲) کے تحت ان تمام قوانین یا احکامات کو کُلی یا جزوی طور پر ختم کرنے سے متعلق فیصلہ کر سکتی ہے جو آئین میں بایں طور عطا کردہ حقوق یا قرآن و سنت کے خلاف ہوں، ان دفعات کے بھی خلاف اور قابلِ اصلاح ہے۔

البتہ آئین کی دفعہ ۳۶ کے مطابق غیر مسلم اقلیتوں کو اپنے اپنے مذاہب کے مطابق تنظیم و صف بندی کی بہرحال اجازت ہوگی جس کی قرآن و سنت میں ممانعت نہیں ہے۔ لیکن اجتماعی طور پر غیر مسلم بھی امتِ واحدہ شمار و تسلیم کئے جائیں گے جس سے انہیں وہ تمام سہولیات و مراعات حاصل ہوں گی جن کی بطور شہری ہونے کے آئینی ضمانت دی گئی ہے۔

تکملہ

مندرجہ بالا فکر و تدبر سے واضح ہے کہ دستورِ پاکستان میں "نفاذِ اسلام" کے لئے بدرجہا خوبیاں اور گنجائش موجود ہے اور واضعینِ دستور نے یقیناً پورے خلوص اور دیانتداری سے دستور کی تمہید و دفعات میں نفاذِ اسلام کے لئے کماحقہٗ ضمانت مہیا کی ہے۔ لیکن بعد میں اس مقدس دستاویز پر عمل درآمد کرنے والوں نے اپنے بے باک و سرکش جذبات، مفادات اور اقتدار وغیرہ ..... کو تحفظ دینے کے لئے جو ترامیم اور قانون سازی کی وہ بوجوہ نفاذِ اسلام کے راستہ میں بہرحال رکاوٹ بنی ہوئی ہے جبکہ یہ رکاوٹ موجودہ عہدہ طلبی، گروہ بندی اور گروہ نوازی کی بنیاد پر قائم نظام (جس کی وجہ سے نہ صرف مملکتِ خداداد میں بلکہ تمام کرۂ ارض پر فساد پھیلا ہوا ہے) کو ختم کر کے خلافت علیٰ منہاجِ نبوت کی بنیاد پر استوار نظامِ امامت کو قائم کر کے ہی ہٹایا جا سکتا ہے۔

دراں حالیکہ! نظامِ امامت کے قیام کے لئے نام نہاد انقلاب کی ہرگز ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ صرف اور صرف آئینِ مملکت کی دفعہ ۱۷-(۲) کے تحت وضع کردہ پولیٹیکل پارٹیز ایکٹ ۱۹۶۲ء کی سیکشن (۴) میں اس حد تک ترمیم کر دی جائے جس حد تک یہ سیکشن ملّتِ اسلامیہ کے اندر گروہ بندی کا جواز پیدا کرتی ہے۔ جو نہ صرف مسلم اُمّہ کے لئے آئین میں بااین طور عطا کردہ حقوق بلکہ قرآن وسنّت کے بھی واضح طور پر خلاف ہے ....! بااین ہمہ! آخر میں جمہوری نظام کی بنیاد، سیاسی پارٹیاں اور سیاسی پارٹیوں کی بنیاد، عہدہ طلبی کی نفی پر مبنی ارشاداتِ نبوی، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم درج کئے جاتے ہیں تاکہ صاحبانِ تدبّر کے لئے مزید سند کے ساتھ عمل کی راہ واضح طور پر اُبھر کر سامنے آسکے۔

۱۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو موسےٰ اشعریؓ سے فرمایا، خدا کی قسم ہم اس حکومت کے منصب پر ایسے شخص ہرگز مقرر نہیں کریں گے جو اس کا طالب ہو اور نہ کسی ایسے شخص کو جو اس کا حریص ہو۔ (بخاری کتاب الاحکام ص ۱۰۵۸)

۲۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ہم اپنی حکومت کے کسی کام میں ایسے شخص کو استعمال نہیں کرتے جو اس کا ارادہ رکھتا ہو۔ (صحیح مسلم، ج ۲، ص ۷۳ ـ اردو ترجمہ مطبوعہ کراچی)

۳۔ حضرت ابو بکرؓ سے ماثور ہے کہ آپؓ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے "امارت[۱]" کے بارے میں دریافت کیا، تو حضورؐ نے جواب دیا "اے ابو بکر! وہ اس کے لئے نہیں ہے جو اس پر لوٹا پڑتا ہو، وہ اس کے لئے ہے جو اس سے بچنے کی کوشش کرے، نہ کہ اس کے لئے جو اس پر جھپٹے ـــ وہ اس کے لئے ہے جس سے کہا جائے کہ یہ تیرا ہے نہ کہ اس کے لئے جو خود کہے کہ یہ میرا حق ہے۔ (قلقشندی صبح الاعشیٰ ج ۱، ص ۲۲)

ہے وہی سازِ کہن مغرب کا جمہوری نظام — جس کے پردوں میں نہیں غیر از نوائے قیصری!
فتنۂ ملّتِ بیضا ہے امامت اس کی — جو مسلمانوں کو سلاطین کا پرستار کرے
(اقبالؒ)

---

[۱] یاد رہے امارت سے مراد فرائض یا منصبِ رہنمائی ہے۔ دولت یا حکومت نہیں کیونکہ قرآن کریم میں (۲۶/۱۸، ۱۲/۴۰) کے مطابق الحکم یا حکومت کا حق صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کو سزاوار ہے۔ انسان کسی طور بھی دوسرے انسانوں کو بندہ، محکوم (۳/۷۸) نہیں بنا سکتا۔ اس طرح اسلام کا طرزِ حکومت جہاں امامت ہے وہاں خلافتِ راشدہ (علیٰ اصلاح) طرزِ حکومت نہیں، خلفاء راشد کا دورِ امامت ہے جو خلافت علیٰ منہاجِ نبوت ورسالت کی بنیاد پر قائم امامت کا یکتا ولاثانی شاہکار ہے۔

صاحبزادہ سید خورشید احمد گیلانی

رستا ناسور

(گذشتہ سے پیوستہ)

شہروں کا بے ہنگم پھیلاؤ

اس عنوان کا بظاہر تعلق تو انتظامی معاملے سے بنتا ہے مگر درحقیقت شہروں کا بے ہنگم پھیلاؤ متعدد سماجی، اخلاقی اور نفسیاتی قباحتوں اور خرابیوں کا ایک بہت بڑا موجب ہے۔ جوں جوں شہروں کا سائز اور آبادی کا پھیلاؤ بڑھتا جائے گا توں توں معاشرتی بگاڑ روز افزوں ہوگا، اسی لئے مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدایت فرمائی تھی کہ

"نئے بسائے جانے والے شہر ایک دوسرے سے مناسب فاصلے پر ہوں اور کسی بھی شہر کی آبادی مدینہ منورہ سے زیادہ نہ ہو۔"

(مدینہ منورہ چند ہزار نفوس پر مشتمل شہر تھا)۔ اس ہدایت اور حکم کی حکمت آج کے دور میں اظہر من الشمس ہے کہ کس طرح بڑے بڑے شہر سماج اور حکومتوں کے لئے مستقل دردِ سر بن جاتے ہیں۔ مانا کہ بڑے شہر روزگار مہیا کرتے ہیں، تسلیم کہ بڑے شہر تمدنی ارتقاء میں اہم کردار ادا کرتے ہیں مگر یہ بھی مسلمہ حقیقت ہے کہ یہی بڑے شہر فتنوں کی آماجگاہ اور مجرموں کی پناہ گاہ ہوتے ہیں۔ سوسائٹی میں جرائم کی بیخ کنی اور اخلاقِ فاضلہ کی نشوونما میں جہاں دوسرے موجبات کام کرتے ہیں وہاں ایک ذریعہ ہر فرد کا شخصی تعارف "باہمی میل جول" جان پہچان اور ذاتی سطح پر تعلقات کی استواری بھی ہے۔ چھوٹے شہروں میں آباؤ اجداد سے لوگ ایک دوسرے کے محلہ دار ہوتے ہیں اور ذاتی جان پہچان رکھتے ہیں اس لئے کوئی بھی شخص جرم کرکے اپنے آپ کو چھپا نہیں سکتا یا تو بھاگ جائے گا اور دوبارہ شہر اور بستی میں داخل نہیں ہوگا یا پھر رواج اور قانون کے مطابق سزا پائے گا اور ہر ایک کی نظر میں مشکوک اور مجرم ٹھہرے گا۔ بڑے شہروں میں ایک محلہ تو کجا ایک گلی کے دو گھروں کا آپس میں کوئی رابطہ اور تعارف نہیں ہوتا جس کے نتیجے میں ہر شخص ایک دوسرے سے انجان اور بیگانہ ہوتا ہے، کس کا گھر لٹا، کس نے لوٹا، ماسوائے اہلِ خانہ کے کسی کو نہ علم ہوتا ہے اور نہ احساس!

بڑے شہروں کے دیگر مسائل جو بظاہر انتظامی ہوتے ہیں لیکن ان کا سماج، اخلاقیات اور نفسیات سے گہرا تعلق ہے۔ ٹریفک ہی کو لیجئے، ہزاروں بسیں، ویگنیں، رکشے، موٹر سائیکل سڑکوں پر رواں دواں رہنے سے شور، دھواں، گرد و غبار ایسے مسائل مستقل مسائل ہیں۔ اب جدید سائنس اور نفسیات نے ثابت کیا ہے کہ شور آلودگی اور گرد و غبار سے انسانی اعصاب بُری طرح متاثر ہوتے ہیں۔ رفتہ رفتہ لوگوں میں چڑچڑا پن، غصہ، عدم برداشت، فشارِ خون ایسے امراض پیدا ہو جاتے ہیں جو جرائم کا ایک بڑا سبب ہیں اور پھر ٹریفک کے بے پناہ ہجوم میں حکم پیل ہوتی ہے

بھنویں تن جاتی ہیں، رگیں پھول جاتی ہیں، گاڑیاں ٹکرا جاتی ہیں اور نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ
پیچھے سے پریشر ہارن بجتے ہیں، گاڑیاں ٹکرا جاتی ہیں اور نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ رگیں پھول جاتی ہیں، بھنویں تن جاتی
ہیں، آستینیں اوپر آ جاتی ہیں، بازو کی مچھلیاں اُبھر آتی ہیں اور یوں تحمل، اخلاق، برداشت اور بردباری کا آبگینہ بیچ
چوراہے کرچی کرچی ہو جاتا ہے۔ ظاہر ہے جہاں لاکھوں بستے ہوں وہاں روزانہ کہیں نہ کہیں لڑائی، جھگڑا، فساد ہوتا
ہی رہتا ہے۔ یوں یہ سب کچھ نفسیات اور کلچر کا حصہ بن جاتا ہے۔ اسی طرح آبادی جہاں بھی بڑھے گی اور پھیلے گی،
اس حساب سے تجارتی، کاروباری اور طبقاتی کشمکش بڑھیگی اور حسد، حرص اور ہوس کی وبا پھیلے گی جس کا واضح مطلب
اخلاقی بگاڑ اور معاشرتی فساد ہے۔

ایک اور زاویے سے دیکھا جائے، تو بہت زیادہ آبادی والے اور پھیلے ہوئے شہر میں سماج کا ڈھانچہ ایک
طرز پر استوار نہیں ہوگا اس کے متعدد اور ایک دوسرے سے متضاد پہلو اور دھارے ہوتے ہیں، کچی آبادیاں اور انتہائی
ماڈرن آبادیاں، غریب علاقے اور امیر علاقے، پرانی آبادیاں اور نئے محلے، کچی جھونپڑیاں اور ماربل کے محلات یہ سب
کچھ پہلو بہ پہلو ہوتا ہے، صرف یہی نہیں سہولتیں اور مراعات مختلف ہوتی ہیں۔ کچھ علاقے راتوں کو بجلی کے قمقموں سے
بقعۂ نور بنے ہوتے ہیں اور بغل کا علاقہ روشنی سے محروم، بعض آبادیوں کی سڑکیں صاف شفاف اور چمکدار ہوتی ہیں
بعض علاقوں میں مریض اور میت لے جانے کے لئے راستہ تک مہیا نہیں ہوتا۔ الغرض ایک ناقابلِ عبور خلیج حائل ہوتی
ہے۔ دو علاقوں اور محلوں کے درمیان اور یہ خلیج صرف سنگ و خشت اور برق و آب کی رسائی سے منسلک نہیں بلکہ
انسانوں کے ذہنوں اور دلوں کے درمیان حائل ہوتی ہے اور کبھی جذبات کی لہر کناروں سے اُچھل ہی پڑتی ہے، تو
کراچی کا منظر آنکھوں کے سامنے گھوم جاتا ہے۔ ایک بار ایسا ہو جائے تو کونے کھدروں میں برسوں سے سوئے ہوئے
نسلی، لسانی، علاقائی، مذہبی اور سیاسی اختلافات حشرات الارض کی طرح انسانی آبادیوں پر حملہ آور ہو جاتے ہیں اور
پھر کہاں کی ہمسائیگی اور کہاں کی مسلمانی، سب کچھ اس آگ کی نذر ہو جاتا ہے۔

علاوہ ازیں بڑے شہروں میں تعلیم، داخلے، مہنگائی، ہر چیز کا بھاؤ تاؤ، مصنوعی طرزِ زندگی، دولت کی ریل پیل،
مارکیٹوں کی چمک دمک، ایسی باتیں براہِ راست اخلاقِ انسانی پر اثر انداز ہوتی ہیں، ان چیزوں کو معمولی سمجھ کر نظر انداز
کرنے والے پھر اپنی آنکھوں سے رنگ و نور میں نہائے ہوئے شہروں کو آسیب زدہ شہر کی شکل میں دیکھ رہے ہوتے
ہیں۔

حدوں اور کناروں سے باہر نکلتے اور اُچھلے ہوتے شہروں سے ایک اور قباحت بھی منسلک ہے کہ بظاہر ان کا
دامن دیہی علاقوں سے منتقل ہونے والے لوگوں کے لئے پناہ گاہ بنتا ہے اور روزگار کے دروازے کھلتے ہیں لیکن
ساتھ ہی ساتھ شہروں میں وسائل کا ارتکاز پیدا ہو جاتا ہے۔ ہر سہولت اور رعایت بڑے شہر کو ملتی ہے، بڑے کاروبار
شہروں میں پھلتے پھولتے ہیں، خوشحالی کا ہر راستہ شہر کی طرف جاتا ہے اس کے ردِ عمل میں دیہات اور اہلِ دیہہ

میں احساس محرومی سا ہوتا ہے اور مسلسل بڑھتا رہتا ہے جو بہرحال کبھی نہ کبھی طوفان ثابت ہوتا ہے، شہری اور دیہی طرزِ معاشرت اور اطوار و اقدار پہلے ہی مختلف ہوتی ہیں، وسائل اور سہولتوں کے ارتکاز کا شکوہ جلتی پر تیل کا کام دیتا ہے۔ چونکہ بنیادی ضروریات کے تمام اسباب اور دیگر خام مال دیہات مہیا کرتے ہیں مگر اس کے ثمرات اور اثرات سے اہالیانِ شہر مستفید ہوتے ہیں۔ لکڑی دیہات کی اور بہترین فرنیچر شہریوں کے پاس، کپاس دیہات کی، اعلیٰ ملبوسات شہریوں کے تن پر، گندم اور چاول دیہات کے، عمدہ پکوان شہریوں کو نصیب، اینٹ گارا پتھر دیہات کا چمکدار سڑکیں شہر کی، محنت مزدوری دیہات والوں کی اور پر آسائش بنگلے شہریوں کے۔ الغرض ایک طرح کی چڑ اور رقابت شہر اور دیہہ کے درمیان پیدا ہو جاتی ہے۔ اگر وسائل کو یکجا کھپانے کے بجائے مناسب انداز میں چھوٹی آبادی کے شہر بنا کر استعمال کئے جائیں تو دفاعی اور سماجی دونوں اعتبار سے مفید ثابت ہوں اور یوں معاشرتی مفاسد کی بڑھتی ہوئی رفتار کو کسی حد تک روکا جا سکتا ہے۔ یہ باتیں آج نہیں تو کل ضرور اپنی اہمیت دنیا پر واضح کریں گی۔

فیوڈل نفسیات

معاشرتی بگاڑ کا موضوع جہاں اور جب بھی زیرِ بحث آئے گا اور اس کے اسباب و عوامل پر غور کیا جائیگا تو لازماً اور حتماً فیوڈل نفسیات خرابیوں کا ایک اہم سبب قرار پائے گا۔ ہمارا معاشرہ بنیادی طور پر دیہی معاشرہ ہے اور صدیوں بعد بھی مکمل طور پر شہری معاشرہ اور صنعتی سوسائٹی کا درجہ نہیں پا سکا اور دیہی معاشرے کا اعصابی اور اہم ترین کردار فیوڈل طبقہ ہے اور اس طبقے کی اخلاقیات اور نفسیات ہماری سوسائٹی کی رگ رگ میں پیوست ہیں اور جا بجا اپنا اثر ظاہر کرتی ہیں۔

انتہائی مختصر لفظوں میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ جاگیردار کلاس اپنی عادات و اطوار کو جن عناصر سے ترکیب دیتی ہے، وہ ہیں دولت، دہشت، انانیت اور حاکمیت، کسی علاقے کا جاگیردار کبھی بھی نہیں چاہے گا کہ کوئی اس کا دولت میں ہمسر ہو، وہ کسی کو سر اُٹھا کر چلنے اور اونچے لہجے میں بات کرنے کا حق نہیں دیتا مبادا کہ اس سے اس کی دہشت زائل ہو جائے۔ وہ ہر بات کو اپنے لئے ناک کا مسئلہ سمجھتا ہے کیونکہ وہ انا کا اسیر ہوتا ہے اور وہ اپنے چھوٹے یا بڑے حلقۂ اثر میں کسی کی مخالفت برداشت نہیں کرتا جس سے کہ اس کی حاکمیت متاثر ہوتی ہو خواہ وہ سڑک کا بننا، اسکول کا کھلنا، اسپتال کا قائم ہونا اور گھریلو طرز کی صنعت کا لگنا ہی کیوں نہ ہو۔

دیہی علاقوں میں تو فیوڈل نفسیات کا اظہار ایک واضح مشاہدہ ہے اور اپنے نقطۂ عروج پر ہے لیکن شہری آبادیاں بھی اس کے اثر سے مبرا نہیں ہیں، شہر کے مرفہ الحال لوگ جب وڈیرے کو اپنی دولت اور طاقت ٹھوس

طریقے سے استعمال کرتا ہوا دیکھتے ہیں تو ان کی رال ٹپکنے لگ جاتی ہے کہ ہم بھی ایسے ہی کیوں نہ بن کر دکھائیں۔ ہمارے پاس بھی تو پیسہ ہے، گاڑی ہے، بنگلہ ہے، نوکر چاکر ہیں، خود کو دوسروں سے برتر اور طاقت ور ثابت کرنے کے لئے اوٹ پٹانگ شروع کر دیتے ہیں جو آگے چل کر اخلاقی اور قانونی حدوں کو پھلانگنے کا مکروہ سلسلہ بن جاتا ہے۔ مثلاً نوکروں کے ساتھ اُردو میں بات کرنا، گرمیوں میں تھری پیس سوٹ پہننا، انگریزی طرز کا ناشتہ اور کھانا، شراب اور عورت سے شغل فرمانا، بڑی گاڑی کے زعم میں کسی سائیکل سوار یا ریڑھی بان کو ٹکر مار کر ادھ موا کر دینا، ٹریفک رولز کو پامال کرنا، اپنے کمسن اور الہڑ لڑکوں کو گاڑیاں دے کر ان کی تفریحِ طبع کا سامان اور اپنی امارت کا اظہار کرنا، گاڑی ٹکرا جائے یا چھن جائے یا چوری ہو جائے تو دوسرے روز فوراً نئی گاڑی منگوانا، اولاد کے عشقیہ اشغال کی حوصلہ افزائی کرنا۔ غرضیکہ اس طرح کی بے شمار حرکات دراصل لاشعوری طور پر فیوڈل نفسیات کی پیروی کا شاخسانہ ہوتی ہیں جس کا واحد مقصد اپنی دولت، دہشت، انانیت اور حاکمیت کا اظہار ہے اور اس پوری نفسیات کے پیچھے صرف ایک فقرہ کارفرما ہوتا ہے جو بار بار ایسے لوگوں کے ذہنوں میں گھنٹی کی طرح بجتا اور انہیں چونکائے رکھتا ہے اور یہ لوگ تمام عمر اس فقرے کی گونج سے خود کو آزاد نہیں کرا سکتے۔ وہ فقرہ ہوتا ہے "لوگ کیا کہیں گے؟"

شادی پر لاکھوں روپے کی آتشبازی نہ ہوئی تو لوگ کیا کہیں گے؟ ماں باپ کے مرنے پر رسمِ قل میں زردہ پلاؤ، کباب، فرنی تیار نہ ہوئی تو لوگ کیا کہیں گے؟ ہر ہفتے گاڑی کا ماڈل نہ بدلا تو لوگ کیا کہیں گے؟ سال میں دو چار مرتبہ گھر پر مجرے کی محفل نہ ہوئی تو لوگ کیا کہیں گے؟ اولاد کی جائز اور ناجائز فرمائشیں پوری نہ کیں تو لوگ کیا کہیں گے؟ بس یہی ایک فقرہ حاصل ہے فیوڈل نفسیات کا! کہ ہر مسئلہ ناک کا مسئلہ! بس یہیں سے قانون شکنی کا عمل شروع ہو جاتا ہے، یعنی برداشت کرنے کو کمزوری سمجھ لیا جاتا ہے نہ کہ اخلاقی تقاضہ، معاف کرنے کو بزدلی کہا جاتا ہے نہ کہ جوہرِ انسانیت، قواعد و ضوابط کی پابندی کو گاؤدی پن قرار دیا جاتا ہے نہ کہ ذمہ دارانہ طرزِ عمل، سادگی اور قناعت کو غربت فرض کر لیا جاتا ہے نہ کہ ہوشمندی اور میانہ روی! تواضع کو طعنہ سمجھ لیا جاتا ہے نہ کہ اعلیٰ ظرفی!

جب سوچ اس طرح کا رُخ اختیار کر لے، تو پھر حرص، ہوس، جبر، استحصال، کینہ توزی، انتقام، نفرت، سازش ایسی بیماریاں انسان کو لگ جاتی ہیں! چونکہ یہ سب کچھ خود کردہ ہوتا ہے اس لئے اس کا علاج کسی جالینوس کے پاس بھی نہیں ہوتا۔

جب ایک خاص قسم کا طبقہ، خواہ وہ دیہات کا ہو یا شہر کا، اس طرح کے طرزِ عمل کو اپنا جزوِ سیرت بنا لیتا ہے اور بہر گام اور بہر نوع اس کا اظہار ضروری سمجھتا ہے تو باقی کے لاکھوں کروڑوں انسان منفی یا مثبت اس کا اثر ضرور لیتے ہیں، یا تو ویسا بن کر دکھانا چاہتے ہیں یا ایسے کو تیسا کرنا چاہتے ہیں۔ دونوں صورتوں میں تشدد، بگاڑ اور بدامنی لازمی ہے، ویسا بن کر دکھانے کے لئے چوری ڈاکہ سے لے کر اغوا اور قتل تک اور ایسے کو تیسا کرنے کے لئے بے رحمی

اور جذبۂ انتقام تک ذہن چلا جاتا ہے۔ بڑے بنگلوں میں قلعی کرنے والا مزدور اور کھیتوں میں کام کرنے والا مزارع جب اپنی اپنی جگہ سوچتے ہیں تو ہزاروں میل کے فاصلے اور کام کاج کے اختلاف کے باوجود ان کا ذہن ایک نتیجے پر پہنچتا ہے اور وہ نتیجہ ہوتا ہے خوفناک انتقام، خونیں واردات اور بے رحم اقدام، چونکہ جاگیردار ہر ایک چیز کو اپنی جاگیر سمجھ لیتا ہے خواہ وہ غریب کی حویلی ہو یا دہقان کی بیٹی، اور سرمایہ دار ہر چیز کو قابلِ خرید سمجھ لیتا ہے خواہ وہ قانون ہو، علم ہو، عصمت ہو، جذبات ہوں، احساسات ہوں، عزتِ نفس ہو، جب کہ سوچ کے یہ دونوں رُخ غلط ہیں اور غلیظ ہیں جب ردِّعمل ہوگا تو ظاہر ہے وہ شدید تر اور سنگین تر ہوگا۔ جاگیردار مزارع کی بیٹی پر ہاتھ ڈالے اور وہ جھٹک دے تو ناک کا مسئلہ کھڑا ہو گیا کہ انکار کیوں؟ اس سے میری بے عزتی ہوئی ہے، سرمایہ دار ہمسائے کی بیٹی پر نگاہِ لطف فرمائے اور وہ آگے سے ناک چڑھائے تو ناک کا مسئلہ کھڑا ہو گیا، کہ یہ کیوں؟ یہ میری اور میرے سرمائے کی توہین ہے، بس اسی طرزِ عمل کا نام فیوڈل نفسیات ہے، شہر اور دیہات کی ایک پوری نسل اس نفسیات کے ردِّعمل میں تیار ہو چکی ہے۔ طبلِ جنگ بج چکا اور مقابلہ شروع ہے اور یہ بات زبانِ زدِ عام ہو گئی ہے کہ وہ تمہاری نفسیات کا مسئلہ تھا، یہ ہماری ضروریات کا مسئلہ ہے، وہ تمہاری انا کی مجبوری تھی اور یہ ہماری بقا کی مجبوری ہے۔ وہ تمہارا بڑائی کا تقاضا تھا یہ ہماری بے نوائی کا تقاضہ ہے۔ تناؤ اور کشیدگی کا یہ عالم ہے تو ایسے میں معاشرتی نظام کا درہم برہم ہونا سامنے کی بات ہے۔

"وہ اپنی خُو نہ چھوڑیں گے ہم اپنی وضع کیوں بدلیں" کی کیفیت جہاں پیدا ہو جائے، تو وہاں ٹھنا ٹھنی ناگزیر ہے۔ ٹھنا ٹھنی ہو گی تو افراتفری کو کون روک سکے گا؟ اور یہی وہ افراتفری ہے جس نے ہمارے معاشرے کی اخلاقی، انتظامی، سیاسی، معاشی اور نفسیاتی چولیں ہلا کر رکھ دی ہیں۔

برتر نصب العین کا فقدان

معاشرے کے رستے ناسور بننے میں ایک اور سبب بھی شامل ہے جو انتہائی توجہ طلب ہے اور وہ ہے برتر نصب العین کا فقدان، یہ جملہ بظاہر فلسفیانہ اور تصوراتی معلوم ہوتا ہے لیکن ذرا گہرائی میں جائیں تو بہت عملی اور واقعاتی محسوس ہوگا، وہ یوں کہ معاشرتی بگاڑ کے جملہ لوازم سوچ کے بودے پن اور عمل کے شہدے پن کی پیداوار ہوتے ہوتے ہیں، پیغمبر جو پوری نوعِ انسانی میں ہر پہلو اور ہر اعتبار سے بہت اونچے مقام پر فائز نظر آتے ہیں تو اس کی ایک وجہ ان کی سوچ کا آفاقی اور میدانِ عمل کا کائناتی ہونا ہے۔ ان کی آنکھیں ایک خاص ماحول میں کھلتی ہیں لیکن نظر افق سے بہت دُور تک جاتی ہے اور ان کی سوچ کا لف ونظر اردگرد سے مربوط ہوتا ہے مگر سرا خدا تک جا پہنچتا ہے، ان کے قدم زمین پر ہوتے ہیں لیکن دھمک سدرۃ المنتہیٰ پر سنائی دیتی ہے۔ ان کے ہاتھ روزمرہ کا کام کرنے میں لگے

ہوتے ہیں لیکن انگلیاں نبضِ ہستی پر ہوتی ہیں، ان کا دل سینے کے چند انچ خول میں دھڑکتا ہے لیکن اس کی دھڑکن پورے عالمِ انسانی کو اپنے محیط میں لئے ہوتی ہے۔ وہ اس مٹی سے اُٹھتے ہیں لیکن یہ مٹی انہیں چپکی ہوئی نہیں ہوتی، وہ اسی خاکدانِ گیتی میں رہتے ہیں لیکن خبر اور لائے گیتی کی رکھتے اور لاتے ہیں۔ وہ رہتے کس علاقے میں ہیں لیکن علائق دنیوی سے بہت حد تک بے نیاز! وہ بظاہر مصر، فلسطین اور عرب کے لگتے ہیں لیکن نمائندگی پورے عالمِ امکان کی کرتے ہیں، یہ سب فیض ہوتا ہے برتر نصب العین کا، نصب العین جتنا برتر ہوگا، سوچ اور عمل کا دائرہ اتنا ہی بہتر ہوگا۔

اب اس دائرے میں نسلی تعصبات داخل ہو سکتے ہیں اور نہ لسانی مناقشات، اس محیط میں نفس پرستی کے حُباب اُٹھتے ہیں اور نہ انا پرستی کے، ایسے ماحول میں نہ ہوس کے جراثیم پلتے ہیں اور نہ حیر کے کیڑوں کو غذا ملتی ہے۔ برتر نصب العین انسان کو "ابوالوقت" بنا دیتا ہے اور اس سے محروم انسان "ابن الوقت" بن جاتا ہے اور یہی وہ ابن الوقت ہیں جو ہنگامی تسکین کے لئے دلوں اور سینوں کو بغض اور کدورتوں سے بھر دیتے ہیں۔ ابوالوقت "میرِ کارواں" ہوتا ہے جو بہت دُور سے بھی اپنی منزل دیکھ رہا ہوتا ہے اور ابن الوقت "گردِ کارواں" ہوتا ہے نہ وہ کسی کو پہچان سکتا ہے نہ کوئی اسے پہچان پاتا ہے، اور فرق صاف ظاہر ہے۔

پوری تاریخ اس پر شاہد ہے کہ عالمی جنگیں ہوں یا نسلی فسادات، زبان کے جھگڑے ہوں یا قومیت کے بکھیڑے، سبھی معمولی مفادات اور بہت چھوٹے مقصد اور نصب العین کا شاخسانہ ہیں، کوئی علاقے میں اپنی برتری کو اپنا مقصودِ حیات سمجھ لے تو جنگ چھڑ جاتی ہے، کوئی اپنی نسل کو اپنا محبوب سمجھ لے تو نسلی منافرت آگ کی طرح بھڑک اٹھتی ہے، کسی کو یہ خبط لاحق ہو کہ وہ صرف اپنی قومیت کے تحفظ کا علمبردار ہے تو ایک ہی صوبہ یا ضلع میدانِ جنگ بن جاتا ہے، اس طرح وزارت، ممبری، کونسلری، چودھراہٹ، ایسے حقیر نصب العین کبھی بھی سوسائٹی کو امن کا گہوارہ نہیں بننے دیتے۔ جس طرح جوہڑ کا پانی مچھروں کی افزائش کے لئے نرسری کا کام دیتا ہے اسی طرح حقیر اہداف مسلسل کشمکش اور دنگا فساد کی حالت برقرار رکھنے بلکہ اسے بڑھانے میں کھاد کا کام دیتے ہیں۔

اس وقت ہمارا معاشرہ بہت چھوٹے چھوٹے مفادات اور ایشوز کو اپنے لئے نصب العین بنا چکا ہے اور سوچ کے دائرے بڑی تیزی سے سمٹ اور سکڑ رہے ہیں۔ پہلے جس دائرے میں پوری قوم سمائی ہوئی تھی اب اس میں چند لوگ نہیں سما پا رہے، نہایت تنگ اور مختصر خانوں میں انسانوں کی تقسیم کا عمل شروع ہے اور کسی کو ہوش نہیں کہ یہ خانے اور تنگ ہو گئے اور یہ دائرے مزید سکڑ گئے تو کل کو کہیں یہ محدود حلقے پھانسی کا پھندا نہ بن جائیں اور ایسا کرنے والے کی اپنی ہی گردن اس میں پھنس کر نہ رہ جائے۔

مثال کے طور پر کوئی فرد یا قوم دولت، قومیت، صوبائیت، حکومت وغیرہ کو اپنا نصب العین قرار دے دے تو اس کا بدیہی نتیجہ ہوس، تعصب، نفرت اور جبر کی صورت میں برآمد ہوگا کیونکہ دولت کا حصول ایسا ہدف ہے کہ بیش از بیش

ہوسِ زر لازمی ہے، قومیت کا مطلب باقی تمام اقوامِ عالم سے متعصبانہ رویہ اختیار کرنا ہے، صوبائیت دوسرے صوبوں سے نفرت کا نام ہے اور حکومت کے لئے دھونس، سازش اور جبر ناگزیر ہتھکنڈے ہیں۔

اس کے مقابلہ میں کوئی اونچا نصب العین مثلاً وحدتِ امت یا اتحادِ انسانیت، رضائے الٰہی، فلاحِ اُخروی وغیرہ ایسے اہداف ہیں جو انسان کے ظرف کو وسیع، نگاہ کو کشادہ، دل کو نرم، سینے کو معمورۂ محبت، سوچ کو پاکیزہ اور جدوجہد کو مثبت رُخ عطا کرتے ہیں۔ ایک شخص اگر وحدتِ امت کا نظریہ اپنا لیتا ہے تو مذہبی، مسلکی، گروہی، فروعی، فقہی اور مشربی تعصبات سے دامن چھڑا کر اپناتا ہے، اگر اتحادِ انسانیت پیشِ نظر ہے تو ہر نوع کی لسانی، قومیتی، علاقائی، نسلی اور رنگ کی نفرتوں سے اس کی نگاہ پاک ہو جاتی ہے، پھر کہاں کا کینہ اور کہاں کا انتقام، سب انسان لائقِ محبت قرار پاتے ہیں، اگر رضائے الٰہی ہدف بن جائے تو انسان لالچ، ضمیر فروشی، منافقت اور دو رنگی جیسی بیماریوں سے بچا رہتا ہے کیونکہ اسے کسی حاکم، وڈیرے، چودھری، سرمایہ دار، جتھے، گروہ، برادری اور فرقے کی خوشنودی نہیں خدا کی رضا مطلوب ہے۔ اب اسے کیا ضرورت پڑی ہے کہ وہ کسی کے اوپر جھولی پھیلائے، اپنا ضمیر گروی رکھے، ظاہر و باطن میں فاصلہ پیدا کرے اور ملمع سازی کا رویہ اپنائے، وہ جس کی رضا کا طالب ہے وہ دلوں کے بھید اور نیتوں کے حال اور سینے کی دھڑکنوں تک سے واقف ہے۔ اس کی بارگاہ میں کھرے اور کھوٹے، سفید اور سیاہ، ایمان اور نفاق، نیکی اور بدی، ظاہر اور باطن، اخفا اور اعلان کے درمیان کوئی التباس نہیں، ہر شے واضح اور صاف ہے۔ ظاہر ہے ایسا انسان اپنے ارادے اور عمل اور قول اور فعل کے بارے میں نہایت یکسو اور واضح ہوگا اور اس کے نمایاں اثرات سوسائٹی پر بھی مرتب ہوں گے۔

اگر فلاحِ اُخروی کسی فرد یا قوم کا نصب العین بن جائے، تو ایسے فرد یا قوم کی نظر میں دنیا اور اس کے تمام اسباب زر و مال، سرمایہ و جاگیر، منصب و جاہ سبھی کچھ حقیر اور بے معنی ہو جائیں گے، اس کے ہاں عزت و دولت، فلاح و خسران، بلندی و پستی کے تمام پیمانے بدل جائیں گے، وہ اپنے ہر اقدام اور عمل میں آخرت کی سعادت، آخرت کی فلاح اور آخرت کی عزت کو مدِ نظر رکھے گا، اس کی زندگی میں سازش، حرص، تکبر اور لغویت کا گزر تک نہیں ہوگا اس لئے کہ اس کی نظر میں یہ سب چیزیں پیش پا افتادہ، وقتی، ناپائیدار اور خالی از منفعت ہیں۔ وہ زندگی جیسی امانت میں خیانت کا تصور بھی نہیں کرے گا، جملہ نوعِ انسانی کو اس سے کسی شر کا اندیشہ اور حملے کا خوف نہیں رہے گا اور یوں دنیا امن کا گہوارہ بن سکتی ہے۔

بر ترنصب العین کو کوئی خواب قرار دے، تو ہمارے خیال میں اہلِ دنیا ویسے بھی خوابوں میں رہتے ہیں، تو کیوں نہ پاکیزہ سہانا اور بہتر خواب دیکھا جائے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ دنیا جن خوابوں اور سرابوں میں بھٹک رہی ہے ان کا آج تک کیا حاصل سامنے آیا ہے، کون سے خواب کی تعبیر ملی ہے؟ اور کس سراب سے پانی کا گھونٹ میسر آیا ہے؟ یہ سبھی

خواب ہی تو ہیں جو آج کے دور میں ہر انسان دیکھ رہا ہے کہ میں روئے زمین کا حاکم بن جاؤں، میں سب سے بڑا دولت مند بن جاؤں، مجھے لوگ خدا مان لیں، سبھی میرے سامنے عاجز ہوں، مجھے کوئی دکھ نہ ہو، مجھے کوئی خوف نہ ہو، مجھ سے کچھ چھن نہ جائے، میں عمرِ جاوداں پالوں وغیرہ لیکن بدقسمتی سے یہ خواب دنیا بھر کے لئے عذاب بن گئے، روئے زمین کا حاکم بنتے بنتے انسان نفسِ زبوں کا محکوم بن کر رہ گیا ہے، دولت مند بنتے بنتے فقر کی دولت گنوا بیٹھا ہے، خدا بننے کے شوق میں اپنی خودی تک سے ہاتھ دو بیٹھا ہے، دوسروں کو عاجز بناتے بناتے اپنی بڑھتی ہوئی اغراض کے ہاتھوں عاجز آ گیا ہے، دکھ سے بچنے کے خواب دیکھنے والا پوری دنیا کو دکھی کر گیا ہے، خوف سے محفوظ رہنے کے شوق نے نوعِ انسانی کو خوف زدہ کر دیا ہے، کچھ چھن نہ جانے کے خیال میں سکونِ قلب چھن گیا ہے، عمرِ جاوداں پانے کی آرزو میں دنیا موت کی وادی بن گئی ہے اور ہر ایک دوسرے کے لئے ملک الموت، کچھ ایسے ہی خواب نمرود، فرعون، قارون، دارا، سکندر، ہلاکو، چنگیز نے دیکھے تھے، انہوں نے تو خواب دیکھے لیکن دنیا کا خانہ خراب کر گئے۔ برترنصب العین خواب ہی سہی، لیکن بعض خواب ایسے ہوتے ہیں جن میں عمر گزار دینا ہی حاصلِ عمر قرار پاتا ہے۔

مذہب کا منفی استعمال

مذہب جو انسانی تاریخ قدیم اور متبرک ورثہ اور تہذیبِ انسانی کا سب سے مؤثر اور بڑا ذریعہ رہا ہے جس کے ساتھ ہی مطلعِ کائنات کے بے شمار درخشندہ آفتاب ذہن میں آجاتے ہیں۔ مقدس پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرامؓ کی جماعت، صوفیاء، صلحائے امت اور حق پرست علماء، یہ سب مذہب کا کتنا تابناک اور شاندار حوالہ ہیں انہی لائقِ ہزار احترام شخصیات نے انسان کو صحیح معنوں میں "حضرتِ انسان" بنایا، پہاڑ کی کھوہوں، غاروں، ریگستان کے ٹیلوں اور جزیروں سے انسان کو نکال کر معلمِ اخلاق کے منصب پر فائز کیا، جہانبانی کے آداب سے آشنا کیا، سنجرِ فطرت کے رموز سے آگاہ کیا، آدم خوری سے ہٹا کر مردم سازی پر لگایا اور آدمی کو محض گوشت پوست کے خول سے آزاد کر کے فکر و یقین کی فضائے بسیط کا راستہ دکھایا۔

مگر رفتہ رفتہ عیار اور کج فہم لوگوں نے مذہب کے خدا پرستی، انسان دوستی، تعمیرِ کردار اور آئینِ انقلاب کے کردار کو مسخ کر کے محض فتوے کی ٹکسال بنا کر رکھ دیا، جس میں کفر، الحاد، ارتداد، زندقہ، وجوبِ قتل، نکاح شکنی کے سکے ڈھلنے لگے، حالانکہ تاریخ کی باوثوق شہادت کے مطابق اسی مذہب کی آغوش میں تقویٰ، طہارت، انسانیت، اخلاص ایثار، مہر و وفا، استقامت، شوقِ شہادت، جذبۂ اطاعت، حُبِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم، رواداری اور حسنِ عمل کے اوصاف پرورش پاتے تھے، آج دنیا میں جہاں بھی اعلیٰ اقدار، پاکیزہ جذبات، مقدس اصول، شاندار

روایات اور برتر مقاصد اور اہداف نظر آتے ہیں کسی قیصر و کسریٰ کی دین نہیں فقط مذہب اور اس کی تعلیم کا فیض ہے وہ مذہب ہی تھا جس نے حکومت میں خودسری کے بجائے خدا کی بندگی، سیاست میں مکر و حیلہ اور جور و ستم کے بجائے احساسِ ذمہ داری، معیشت میں سلب و نہب کے بجائے احسان و ایثار، معاشرت میں طبقاتیت کے بجائے مساوات اور روحانیت میں گریز و فرار کے بجائے مثبت کردار کے اصول رائج کئے۔

چونکہ اس وقت موضوعِ سخن معاشرتی بگاڑ ہے اس لئے مذہب کی مسخ شدہ تعبیر اور محرف رویہ بھی معاشرتی بگاڑ کا ایک افسوسناک عامل ہے، ظاہر ہے جب ترتیب اُلٹ جائے گی تو پورا نقشہ اپنے آپ بگڑ جائے گا۔ وہ لوگ جو مزاج کے اعتبار سے لڑاکا، طبیعت کے اعتبار سے جھگڑالو، ذہن کے اعتبار سے متشدد اور سوچ کے اعتبار سے مردم آزار تھے، جب وہ مذہب کے میدان میں داخل ہوئے، تو وہ خود تو کیا سُدھرتے الٹا مذہب کی روح بگاڑ کر رکھ دی، عام لوگوں نے مسجد میں نماز پڑھنی تھی، عید گاہوں میں جانا تھا، خطبۂ جمعہ سننا تھا، سیرت کے جلسے میں شریک ہونا تھا۔ لیکن ان کے ساتھ پیشہ ور اربابِ مذہب اور کم نظر واعظین نے یہ سلوک کیا کہ انہیں سب کچھ سنایا اور سکھایا مگر نہ سُنا سکے تو نغمۂ محبت نہ سنا سکے اور نہ سکھا سکے تو اخلاقِ حسنہ نہ سکھا سکے۔ معاشرہ بدعنوانی کی لپیٹ میں تھا اور واعظین کا موضوع آمین بالجہر اور رفع یدین رہا ہے۔ معاشرہ قتل و غارت کی پوٹ بن گیا اور خطیبِ ممبر و لب شر میں اُلجھا رہا۔ معاشرہ منافقت کے طوفان میں پھنس گیا اور وارثِ محرابِ خلافت و امامت کے موضوع پر بولتا رہا۔ معاشرہ حرص و ہوس کے ریلے میں بہہ گیا اور فقیہہ شہر قربانی کے مینڈھے کے دانت گنتا رہا۔ معاشرہ نفرت کی آگ میں جھلس گیا اور شیخ حرم گٹے جوڑنے کی مشقیں کراتا رہا۔ معاشرہ جبر کی تلوار تلے دب گیا اور مفتیٔ اعظم داڑھی کا طول و عرض ناپتا رہا۔ معاشرہ رشوت اور سفارش کے سرطان میں مبتلا ہو گیا اور قاضیٔ وقت نکاح ٹوٹنے کے فتوے دیتا رہا۔ جب معاشرے میں مذہب کا کردار اور اربابِ مذہب کا طرزِ عمل ایسا ہو، تو معاشرہ ڈھلان سے لڑھکنے والا پتھر نہیں بنے گا تو اور کیا ہوگا؟ جو نیچے ذلت کی کھڈ میں گر کر بالآخر پاش پاش ہو جاتا ہے۔

دنیا میں بلاشبہ متعدد عوامل اور عناصر بہت طاقتور ہیں لیکن اس گئے گزرے دور میں بھی سب سے زیادہ طاقتور "مذہب" ہے لیکن جب ذمہ دار لوگ ایٹم بم سے مچھر ماری کا شغل شروع فرما دیں یعنی مذہب جیسی قوت کو بڑے ہی فروعی مسائل میں صرف کرنا شروع کر دیں تو نتائج کے لئے کسی بقراطی پیشینگوئی کی ضرورت نہیں رہتی۔ عقلِ عام خود بھی واضح نتیجے پر پہنچ جاتی ہے۔ اسے المیہ کہیے یا طربیہ لکھیے، بہرکیف یہ ستم اور یہ مذاق اس زوال آمادہ معاشرے کے ساتھ برابر روا رکھا جا رہا ہے۔

دینِ اسلام کی تعلیمات اس قدر سادہ، انقلاب آفریں، حیات بخش اور یقین پرور ہیں کہ روحِ عصر اس پر قسم کھانے کو تیار ہے مگر کوئی سلیقے اور قرینے سے انہیں پیش تو کرے؟

چاروں ارکانِ اسلام ہی کو لے لیجئے پورا دستور العمل اور منشورِ زندگی ہیں، نماز انسان میں عاجزی، نظم وضبط اور یکسوئی پیدا کرتی ہے اور روزہ ایثار اور قناعت کا درس دیتا ہے۔ زکوٰۃ حبِ مال کی جڑ کاٹتی ہے اور حج اللہ کے ساتھ والہانہ محبت اور سب کچھ اللہ کے لئے چھوڑ دینے کی رمز سمجھاتا ہے۔ یہ سب کچھ برحق اور بسر و چشم! مگر اس میں سے کوئی بھی صفت ہے جو ہمارے اخلاق کا حصہ ہو؟ ہرگز نہیں، آخر کیوں؟ اس کا مرصّع اور مختصر جواب تو حکیم الامت علامہ اقبالؒ برسوں پہلے دے چکے

نماز و روزہ و قربانی و حج
یہ سب باقی ہیں تُو باقی نہیں ہے

یہ جو ہم باقی نہیں رہے تو اس کی بھی کوئی وجہ ہوگی یا ہونی چاہیئے اور وہ ہے اور بالکل آنکھوں کے سامنے!

جب محراب و منبر ترش ابرو، خطیبِ شہر زہر خند اور قہر پاش، تقریر زہر آلود تیر، لہجہ بعذہ، گفتار تیغ آبدار، زبان حد درجہ سنان اور موضوع محض فروع بن جائے تو ایسے تماشے ہر زوال یافتہ قوم دیکھا کرتی ہے۔ جو وقت دنیا کو معجزہ دکھانے کا تھا وائے نصیب وہ اپنا تماشا دکھانے میں خرچ ہو رہا ہے۔

قصہ کوتاہ یہ چند اہم عوامل ہیں جو محض چہرے اور طرزِ حکومت بدلنے سے دفعتًا اصلاح پذیر نہیں ہوں گے بلکہ ایک اسلامی عوامی انقلاب ان عوامل و اسباب کا خاتمہ کر کے معاشرے کو نئے ڈھنگ اور آہنگ سے ہمکنار کر سکتا ہے۔ پھر معاشرہ ناسور نہیں رہے گا، رنگ و نور میں ڈھل جائے گا۔

قرآنی حقائق کو سمجھنے کے لئے
ماہنامہ
طلوعِ اسلام
خود پڑھئے
دوسروں کو پڑھنے کے لئے پیش کیجئے

ثریا عندلیب

حصولِ علم کے لئے جدّوجہد

انسانی زندگی میں علم سے بڑھ کر اہم اور عظیم کوئی دوسری شے نہیں۔ اس کی فضیلت اور عظمت کا اندازہ اس سے لگائیے کہ ضابطۂ انسانیت قرآنِ کریم کے نزول کا آغاز لفظ اقرا سے ہوا ہے۔ یعنی خالقِ حقیقی اللہ بزرگ و برتر کی طرف سے رہنمائی دی جا رہی ہے تو سب سے پہلا فرض انسان پر پڑھنے یعنی علم حاصل کرنے کا عائد کیا۔ کیونکہ علم وہ شے ہے جس کے حصول کے بغیر انسان حیوانِ مطلق کی سطح سے اوپر نہیں اُٹھ سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو دنیا میں فعّال اور خوشگوار زندگی بسر کرنے کے لئے جو مستقل اقدار اور ابدی قوانین عطا کئے ہیں۔ بے علم اور جاہل ہونے کی صورت میں نہ تو ان کو سمجھا جا سکتا ہے نہ ان پر عمل ہو سکتا ہے۔ لہٰذا حصولِ علم کے لئے جدّوجہد کو قرآنِ کریم میں لازمۂ حیات ٹھہرایا گیا ہے۔ تاکہ اس کے ذریعے فرائضِ زندگی کو بہ طریقِ احسن ادا کرنے اور مقاصدِ انسانیت کو بروئے کار لانے کے لئے سیدھے راستے کھلتے رہیں۔ سورۃ بقرہ میں بتایا گیا ہے کہ آدم کو علم الاشیاء کی صلاحیت عطا کی گئی یعنی انسان میں اس امر کی امکانی استعداد رکھ دی گئی ہے کہ یہ ان قوانین کا علم حاصل کر سکے جن کے مطابق مختلف اشیائے کائنات سرگرمِ عمل ہیں اور اسی سے وہ مسجودِ ملائک قرار پایا۔ اس حقیقتِ ثابتہ سے علم کی اہمیت و فضیلت واضح ہوتی ہے۔ چنانچہ علم کے حصول کے لئے زیادہ سے زیادہ اور تسلسل کے ساتھ جدّوجہد کرتے رہنے کی ہمہ وقت ضرورت رہتی ہے۔

علم کا دائرہ عمیق وسعت رکھتا ہے اور اس کا زندگی کے تمام حقائق و معارف، دنیا کے تمام معاملات و مسائل اور کائنات کے گہرے اسرار و رموز سے ہوتا ہے۔ یہ ختم ہونے والی شے نہیں۔ اس کے حصول میں کی جانے والی جدّوجہد کا سلسلہ تا عمر جاری رہتا ہے اور اس کے نتیجے میں تدریس و تحقیق کے گوہر ہائے آبدار سے انسانیت بہرہ یاب ہوتی رہتی ہے۔ قرآنِ کریم کے نزدیک زندگی کے کسی وقت میں بھی یہ سمجھ لینا کہ ہمیں اب مزید علم کی ضرورت نہیں۔ نعمائے خداوندی سے محرومی ہے۔ اس کتابِ مبین میں اہلِ علم کے لئے علماء کا لفظ آیا ہے۔ اور سورۂ فاطر میں جس مقام پر یہ

لفظ استعمال ہوا ہے۔ اس کے متعلق ارشاد ہوتا ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ ثَمَرٰتٍ مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهَا ؕ

کیا تو نے اس حقیقت پر غور نہیں کیا کہ اللہ بادلوں سے مینہ برساتا ہے اور اور اس سے مختلف اقسام کے پھل پیدا کرتا ہے۔

وَ مِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌۢ بِيْضٌ وَّ حُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهَا وَ غَرَابِيْبُ سُوْدٌ (۳۵/۲۷)

اور پہاڑوں (میں دیکھو کس طرح) سفید اور سُرخ خطّے (یا طبقات) ہیں جن کی مختلف اقسام ہیں اور بعض ان میں سے بہت سیاہ ہیں۔

وَ مِنَ النَّاسِ وَ الدَّوَآبِّ وَ الْاَنْعَامِ مُخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ كَذٰلِكَ ؕ اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ؕ (۳۵/۲۸)

اور اسی طرح انسانوں میں اور دیگر جانداروں میں اور مویشیوں میں بھی مختلف اقسام ہیں (یہاں قرآن کریم نے ان علوم کا ذکر کیا ہے جنہیں دورِ حاضر کی اصطلاح میں خالصتاً علومِ سائنس کہا جاتا ہے) (اور اس کے آگے کہا ہے) یہ حقیقت ہے کہ اس کے بندوں میں سے صرف وہی اس کی عظمت و قدرت کے سامنے کانپ اٹھتے ہیں (اللہ کی کبریائی کے احساس سے ان پر ہیبت طاری ہو جاتی ہے) جو "علماء" ہیں۔ یعنی جو ان علوم کا علم رکھتے ہیں۔

یہاں غور کرنے پر یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ قرآن کریم میں علماء کا لفظ ٹھیک ان معنوں میں استعمال ہوا ہے جن معنوں میں آجکل سائنس دان کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ سائنس دان بلاشبہ کائناتی مفکّر ہونے کا منصب رکھتا ہے یہ وہ لوگ ہوتے ہیں، جو کائناتی نظام کا مطالعہ کرتے اور مسلسل مشاہدات و تجربات کے بعد فطرت کی قوتوں کو قانونِ قدرت کے مطابق مسخر کرتے ہیں۔ ان علوم کی تحصیل میں جس قدر شبانہ روز کی جدّوجہد کا دخل ہوتا ہے وہ نگاہِ بینا سے پوشیدہ نہیں۔ علم سے باریاب ہونا بہت بڑا شرفِ انسانی ہے۔ اس کے متعلق قرآن نے بیّن الفاظ میں فرمادیا۔

قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ کہو کہ جو لوگ علم رکھتے ہیں اور جو علم نہیں رکھتے، کیا دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ اس قرآنی حوالے سے یہ صداقت ظاہر ہوتی ہے کہ جو شخص علم رکھتا ہے وہ علم کے تقاضوں سے بے بہرہ نہیں ہوتا اور نہ ہی ان کی ادائیگی سے بری الذمّہ ہو سکتا ہے۔ علم کی بدولت وہ بے علم

سے ممتاز رہتا ہے۔ علم وہی علم ہے جس میں انسان اپنے حواس سے پورا پورا کام لے۔ حواس سے کام لینے سے مراد یہ ہے کہ اشیائے فطرت کا مشاہدہ اور قوانینِ فطرت کا مطالعہ شب و روز کرتے ہوئے اس محسوس کائنات کے پیچھے ہوئے حقائق کو سمجھا جائے تاکہ انسان اپنی پیہم جدّ و جہد اور مسلسل تجربات کے ثمرات سے خدا کے نظام اور قوانینِ ربوبیت کے قیام کی صورت میں فیض یاب ہے۔ یہ ہے علم کا مقصود جس کی طرف قرآن رہنمائی کرتا ہے اور قرآن نازل ہی اہلِ علم کے لئے ہوا ہے۔ (۴۱/۳)

حصولِ علم کا یہ مطلب نہیں کہ سوچے سمجھے بغیر محض جامد ذہن کے ساتھ حافظہ کے تہہ خانوں میں ادھر اُدھر کی معلومات کے انبار بھر لئے جائیں۔ بلکہ علم کا حاصل کرنا اپنے ذہن کو تجسّس و استفہام کا خوگر بنانا ہے تاکہ تفکر و استدلال کی قوتوں سے کام لے کر انسان ہر معاملے میں اپنی رائے قائم کر سکے۔

علم ہی سے فردِ معاشرہ اپنی ذات کی تہذیب اور اپنے نفس کی تطہیر کر سکتا ہے مگر علم سے بار بار ہونا صرف اپنی ذات کے لئے نہیں ہوتا، اسے ان لوگوں تک پہنچانا بھی ہوتا ہے۔ جو اس کی روشنی سے محروم، جہل کی تاریکیوں میں بھٹکے ہوتے ہیں۔ ہر صاحبِ علم پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ اپنے معاشرہ کے علم سے تہی دامن افراد میں علم کی نہ ختم ہونے والی دولت عام کر دے کہ علم و حکمت سے محروم رہنا شرفِ انسانیت سے محروم رہنا ہے

سعدی شیرازی کیا خوب کہہ گئے ہیں ؎

بنی آدم از علم یابد کمال — نہ از حشمت و جاہ و مال و منال

چوں شمع از بئے علم باید گداخت — کہ بے علم نتواں خدا را شناخت

ہم سب جانتے ہیں کہ رہبرِ کامل، محسنِ انسانیت، سرورِ کائنات حضور رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے معلمِ عالم بنا کر بھیجا اور حضورؐ کی ذاتِ اقدس نے اس منصبِ اعلیٰ کی بہ تمام و کمال جس طرح ادائیگی کی، وہ حضورؐ کے رفقائے کار اور اس دور کے مسلمانوں کی شکل میں تاریخ میں ثبت ہے۔ حضورؐ خود اپنے لئے علم کے زیادہ ہونے کی قرآنی دعا فرماتے تھے۔

رَبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا (۲/۱۱۴)

آپؐ نے اس علم اور ہدایت کی مثال بارش سے دی کہ جس طرح بارش برسنے سے مُردہ زمین زندہ ہو جاتی ہے اسی طرح علم سے مردہ دل زندہ ہو جاتے ہیں۔ ایک اور موقع پر آپؐ نے فرمایا کہ جو شخص طلبِ علم کے لئے سفر اختیار کرتا ہے اس کو اللہ تعالیٰ جنّت کے راستے پر چلاتا ہے اور یہ کہ علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد اور ہر مسلمان عورت پر فرض ہے۔ قرآنِ کریم کی روشنی سے تابندہ حضور نبی کریمؐ کے ارشادات ہمیں زندگی کے ہر قدم پر علم و عمل کا متعین راستہ دکھاتے ہیں۔ ہم ہی اپنی آنکھیں بند رکھیں تو راستہ کیسے نظر آئے؟

آج کے ترقی یافتہ دَور میں جبکہ بیسویں صدی اپنے اختتام کو پہنچ رہی ہے۔ کیا ہم نے کبھی سوچا کہ علم یعنی تعلیم کے حوالے سے ہمارا کیا مقام ہے؟ روشنی کے اس زمانے میں بھی ہماری جہالت کی تاریکیاں کس قدر عام ہیں! اس سے بڑا سنگین المیہ اور کیا ہوگا کہ ہمارے وطنِ عزیز آزاد پاکستان کے کم و بیش ۵۰ فیصد افراد علم سے بے بہرہ، تعلیم سے نا آشنا زندگی گزارتے چلے جا رہے ہیں! کیا ہماری ساری خرابیوں کی جڑ جہالت نہیں؟ ہم میں سے وہ جنہیں تعلیم یافتہ اور زیورِ علم سے آراستہ ہونے کا شرف حاصل ہے کیا وہ حصولِ علم کے بعد ترسیلِ علم کا اہم ترین فرض بھی ادا کر رہے ہیں؟ کیا ہم نے جہل کے اندھیروں میں پلنے والوں تک علم کی روشنی پھیلانے کی کوئی اپنے طور پر سعی کی؟ علم کی نعمت سے محروم زندہ لوگ، اس معاشرہ میں سانس لینے والے ہم سے جواب چاہتے ہیں!!!

---

۵۷ ۔ اِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ ٥ (۲۶/۸۰)

"میں جب بیمار ہو جاتا ہوں تو خدا (کا قانون) مجھے شفا دے دیتا ہے۔"

صفائی | صحت کے لئے صفائی کی بڑی ضرورت ہے۔

وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ ٥ (۹/۱۰۸)

"اور اللہ ان لوگوں کو پسند کرتا ہے جو پاک اور صاف رہتے ہیں۔"

نوٹ:

مُطَّهِّرِيْنَ کے معنی صرف یہی نہیں کہ انسان جسم اور کپڑوں کی صفائی رکھے۔ اس کے معنی یہ بھی ہیں انسان اپنے دل اور دماغ کو بُرے بُرے خیالات سے پاک اور صاف رکھے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اعزاز الدین احمد خاں
لاہور چھاؤنی

نَفۡسٍ وَّاحِدَۃٍ

یہ مقالہ ایک فاضل دوست کی فکر کا نتیجہ ہے، ایک علمی بحث اور ان کا اپنا نقطۂ نظر ہے۔ کوئی اور صاحب علمی سطح پر بات کرنا چاہیں تو ہمارے اوراق حاضر ہیں (ادارہ)

نَفۡسٍ وَّاحِدَۃٍ کی "وضاحت"

"نَفۡسٍ وَّاحِدَۃٍ" کے موضوع پر حال ہی میں، محترم ڈاکٹر سید عبدالودود صاحب نے ایک مقالہ تحریر فرمایا ہے جس کی چوتھی اور آخری قسط "طلوعِ اسلام" کے نومبر ۹۲ء کے شمارے میں شائع ہوئی۔ اس مقالہ کا مقصد ڈاکٹر صاحب نے "نَفۡسٍ وَّاحِدَۃٍ" کے معنی/مفہوم کی وضاحت بتایا ہے۔ میں نے ڈاکٹر صاحب کی پیش کردہ "وضاحت" کو بار بار پڑھا کیونکہ یہ وضاحت میرے لئے نہ صرف نئی ہی تھی بلکہ حیران کن بھی تھی۔ عام طور پر یہی سمجھا جاتا ہے کہ نَفۡسٍ وَّاحِدَۃٍ کی اصطلاح سے قرآن حکیم کا اشارہ انسانی تخلیق کے نقطۂ آغاز کی طرف ہے۔ ہمارے مفسر حضرات نے اگرچہ اس قرآنی اصطلاح کے معنی/مفہوم مختلف بتائے ہیں ـــ کسی نے اسے "بابا آدم" بتایا، کسی نے "ایک جان یا جاندار" کسی نے "ایک شخص" اور کسی نے "اوّلین جرثومۂ حیات" بتایا ـــ لیکن اس پر سب کا اتفاق ہے کہ نَفۡسٍ وَّاحِدَۃٍ سے قرآن کی مراد تخلیقِ انسانی کی پہلی کڑی کی ابتدا ہے۔ محترم ڈاکٹر صاحب ان مفسر حضرات سے اتفاق نہیں کرتے۔ ان کے مطابق نَفۡسٍ وَّاحِدَۃٍ سے قرآنِ حکیم کی مراد وہ "جفتہ" ہے جو مرد اور عورت کے اختلاط کے بعد، عورت کے رحم میں، SPERM اور OVUM کے ملاپ سے معرضِ وجود میں آتا ہے!! یہ ڈاکٹر صاحب کا اپنا استدلال ہے۔ میری رائے میں اسے عملِ تولید کی وضاحت تو کہا جاسکتا ہے، قرآن کے نفسِ واحدہ سے اس کا تعلق بعید از قیاس نظر آتا ہے۔

میں نے ڈاکٹر صاحب کی "وضاحت" کو اپنی بصیرت اور بساط کے مطابق، قرآن حکیم کی روشنی میں، دیکھنے کی کوشش کی ہے تاکہ بات واضح ہوجائے۔ یہ ایک علمی بحث ہے جس کا واحد مقصد نَفۡسٍ وَّاحِدَۃٍ کی اصطلاح کو

سمجھنا ہے. پیشتر اس کے کہ ڈاکٹر صاحب کی "وضاحت" کو تفصیل سے دیکھا جائے، مناسب ہوگا اگر پہلے یہ سمجھ لیا جائے کہ سلسلۂ سے مراد کیا ہے اور اللہ تعالیٰ کا عملِ تخلیق کیا ہے؟

سلسلۂ ارتقاء سے مراد کیا ہے؟

قرآنِ حکیم میں انسانی تخلیق کے متعلق جو اشارات ملتے ہیں وہ ہماری فکر کا رُخ نظریۂ ارتقاء کی طرف موڑتے ہیں۔ اس سے مفہوم یہ ہے کہ کائنات میں ہمیں جتنی چیزیں نظر آتی ہیں وہ جھٹ سے اس شکل میں نمودار نہیں ہوگئیں. ہر شے کی تخلیقی ابتداء اس کے نقطۂ آغاز سے ہوئی. پھر وہ اپنے نقطۂ آغاز سے نشوونما پاتی، مختلف مراحل طے کرتی ہوئی، اپنی تکمیل تک پہنچی. یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے اس قانون کے مطابق ہوتا ہے جو اس نے اشیاء کے پیدا کرنے کے لئے مقرر کر رکھا ہے. اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا قانونِ تخلیق یہ ہے کہ وہ جب کسی شے کے پیدا کرنے کا فیصلہ کر لیتا ہے تو اس کے ساتھ ہی اس شے کی ابتدا اس کے نقطۂ آغاز سے ہو جاتی ہے (۲/۱۱۷). انسان بھی پیکرِ آدمی تک اسی قانون کے مطابق پہنچا ہے۔

انسان کی تخلیق کا آغاز

جب مشیت کے پروگرام کے مطابق (۶-۳۲/۵) وہ وقت آیا کہ انسان زمین پر آباد ہو (۲/۳۰) تو انسان کی پیدائش کی ابتداء اس کے نقطۂ آغاز سے ہوگئی. قرآنِ حکیم، انسان کی تخلیق کا نقطۂ آغاز "طین" بتاتا ہے.

وَ بَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِيْنٍ (۳۲/۷)

"اللہ تعالیٰ نے انسانی تخلیق کی ابتداء مٹی سے کی."

واضح رہے کہ خلق کے بنیادی معنی کسی شے کو عدم سے وجود میں لانا نہیں. اس کے معنی ہیں، مختلف عناصر میں خاص ترکیب پیدا کر کے، اس سے ایک نئی چیز بنا دینا (۲۱/۳۰ ; ۲۳/۱۲). یہاں (یعنی آیت ۳۲/۷ میں) جس "نقطۂ آغاز" کا ذکر ہے وہ، وہ مقام ہے جہاں سے زندگی، مٹی کے "خلاصہ" اور پانی کے امتزاج سے، ایک محسوس و مشہود شکل میں سامنے آجاتی ہے. (اس سے پہلے مقامات کا ذکر نہیں). بالفاظِ دیگر مٹی کی آمیزش سے جرثومۂ زندگی نے پیکر کی شکل اختیار کی. ارشاد ہوتا ہے؛

وَ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ۝

(۱۵/۲۶، ۲۸ ; ۵۵/۱۴)

"اور بلاشبہ یہ واقعہ ہے کہ ہم نے انسان کو خمیر لٹھے ہوئے گارے سے بنایا جو سوکھ کر

بجنے لگتا ہے۔"

واضح رہے کہ اس گارے (کیچڑ) کی صورت یہ نہیں تھی کہ اس میں "مٹی" زندگی میں تبدیل ہوگئی تھی۔ قرآن نے کہا یہ ہے کہ "مٹی کا خلاصہ" پانی سے ملا تو اس سے زندگی کے اوّلیں جرثومہ کی نمود ہوئی۔ زندگی کا یہ نقطۂ آغاز وہ نفسِ واحدہ ہے جس سے زندگی کی شاخیں پھوٹتی ہیں (۴/۱؛ ۶/۲؛ ۶/۹۹؛ ۷/۱۸۹؛ ۳۹/۶)۔ اس اوّلیں جرثومۂ زندگی" کو قرآنِ حکیم نے "نَفْسٍ وَّاحِدَةٍ" کہہ کر پکارا ہے۔ یعنی ایسا خلیہ (CELL) جس میں نر و مادہ کا امتیاز نہیں تھا۔ وہ واحد یعنی ایک (UNIT) تھا۔ اس سے واضح ہے کہ انسان کی تخلیق کی ابتداء کسی ایک فرد کے ذریعہ نہیں ہوئی تھی ـــــ نوعِ انسان کی تخلیق نفسِ واحد (واحد جرثومۂ زندگی) سے ہوئی ہے۔ اسی لئے تو قرآن کہتا ہے کہ تمام نوعِ انسان ایک عالمگیر برادری کے افراد ہیں (۲/۲۱۳؛ ۱۰/۱۹)۔ یاد رہے کہ وحدتِ خالق سے وحدتِ مخلوق قرآن کا بنیادی نکتہ ہے۔ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ (۳۹/۶) سے یہی مراد ہے۔

پھر یہ نفسِ واحد (اوّلیں جرثومۂ زندگی) ذوقِ تخلیق سے نر و مادہ کے خلیوں میں بٹ گیا۔ قرآنِ حکیم میں آیا ہے:

خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا (۳۹/۶)

"اللہ نے تمہاری تخلیق کی ابتداء ایک نفسِ واحد (ایک جرثومۂ حیات) سے کی اور پھر اسی میں سے اس کا جوڑا بنا دیا۔" (یعنی پھر اسی ایک جرثومہ کو اس طرح دو حصّوں میں تقسیم کر دیا کہ اس میں ایک حصّہ نر بن گیا اور دوسرا مادہ۔ اور پھر نر و مادہ اختلاط سے اپنے وقت پر، افزائشِ نسل کا سلسلہ بذریعہ "نُطْفَةٌ" شروع ہوگیا" (۴/۱)، (۱۶/۶)۔

ضمناً قرآنِ حکیم نے صرف انسان کے متعلق ہی یہ نہیں کہا کہ نفسِ واحد سے اس کا جوڑا بنا دیا۔ اس نے کہا ہے کہ:

وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ (۵۱/۴۹؛ ۴۳/۱۲)

"اور ہم نے ہر شے کے جوڑے بنائے ہیں۔"

واضح رہے کہ بنیادی طور پر زوج کے معنی جوڑا ہی نہیں ہوتے۔ اس سے مراد ایسا جوڑا ہوتا ہے جس میں ایک فرد کی تکمیل دوسرے فرد کے بغیر نہیں ہو سکتی۔

اس ضمناً تذکرہ کے بعد، ہم پھر اپنے اصلی موضوع کی طرف لوٹتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب اوپر دی ہوئی نَفْسٍ وَّاحِدَةٍ کی تشریح کو قبول نہیں کرتے۔ وہ کہتے ہیں کہ مٹی اور پانی کے امتزاج سے جو جرثومۂ زندگی پیدا ہوا وہ

خود "نَفۡسٍ وَّاحِدَۃٍ" نہیں تھا۔ بلکہ نَفۡسٍ وَّاحِدَۃٍ تک پہنچنے کا آغاز تھا!! (طلوعِ اسلام اگست ۹۲ء صد ۳۵۔ نوٹ)۔ پھر وہ ان ارتقائی منازل کا تذکرہ کرتے ہیں" جن میں سے گزر کر تخلیق نفسِ واحدۃ تک پہنچی ان کے خیال کے مطابق "نَفۡسٍ وَّاحِدَۃٍ" کی تخلیق، عورت کے رحم میں ہوا کرتی ہے۔ مرد اور عورت کے اختلاط کے بعد، عورت کے رحم میں، SPERM (نر کا جرثومہ) اور OVUM (مادہ کا انڈا) کے ملاپ سے جو "جفتہ" بنتا ہے۔ قرآنِ حکیم اسے "نَفۡسٍ وَّاحِدَۃٍ" کہتا ہے!!

ڈاکٹر صاحب کی "جفتہ" تھیوری (THEORY) کو، میں نے کھلے ذہن سے، سمجھنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن آخر کار اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ یہ "تھیوری" قرآنِ حکیم کے واضح ارشادات (نفسِ واحدہ کے بارے میں) سے ٹکراتی ہے، اس لئے صحیح نہیں ہو سکتی۔ آیئے اس "تھیوری" کو قرآنِ حکیم کی کسوٹی پر پرکھیں یہاں یہ کہتا چلوں کہ میں نے اس علمی بحث کو اصل مسئلہ تک محدود رکھا ہے۔ "روئے زمین پر کیمیائی ارتقاء" کی بحث میں نہیں الجھا ہوں کیونکہ خود ڈاکٹر صاحب کے مطابق "اصل مسئلہ صرف عملِ تولید کا خاکہ بیان کرنے سے بھی حل ہو سکتا ہے"۔

"جفتہ" تھیوری (THEORY)

ڈاکٹر صاحب کہتے ہیں کہ یہ درست ہے کہ "انسانی زندگی کی ابتدا کسی بنے بنائے انسان سے نہیں ہوئی بلکہ جرثومۂ حیات (LIFE - CELL) سے ہوئی"۔ لیکن "یہ بیان کہ پہلے LIFE - CELL تھا جو جوشِ نمو سے پھٹ کر دو حصوں میں تقسیم ہو گیا۔ ایک SPERM اور دوسرا OVUM اور پھر ان کے ملاپ سے انسانی نسل شروع ہوئی، درست نہیں"۔ (طلوعِ اسلام، جولائی ۹۲ء، صفحہ ۱۴)۔ "یہ بیان" جسے ڈاکٹر صاحب درست تسلیم نہیں کرتے، علامہ پرویزؒ کا آیت (۴/۱) کا بیان کردہ مفہوم ہے۔ (مفہوم القرآن صفحہ ۱۷۵)۔ پھر فرماتے ہیں کہ نَفۡسٍ وَّاحِدَۃٍ (جرثومۂ حیات) کی وضاحت کے لئے "جرثومہ ہائے حیات کی پوری تاریخ بیان کرنی پڑے گی اور آخر میں وہ جرثومۂ حیات جسے نَفۡسٍ وَّاحِدَۃٍ کہا جاتا ہے، کی نشاندہی کی جائے گی"۔ پھر وہ روئے زمین کے کیمیائی ارتقاء کے سفر پر نکل پڑتے ہیں جس کی تفاصیل کے لئے آپ کو "طلوعِ اسلام" (اگست، ستمبر نومبر ۱۹۹۲ء) کی ورق گردانی کرنی ہو گی۔ میں یہاں صرف ان کی نَفۡسٍ وَّاحِدَۃٍ کے بارے میں تحقیق کا نچوڑ بیان کروں گا۔ اپنے مقالے کی چوتھی اور آخری قسط (طلوعِ اسلام، نومبر ۹۲ء) میں "نَفۡسٍ وَّاحِدَۃٍ" کی نشاندہی کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ دراصل "نَفۡسٍ وَّاحِدَۃٍ" سے قرآنِ حکیم کی مراد وہ "جفتہ" ہے جو مرد اور عورت کے اختلاط کے بعد، عورت کے رحم میں SPERM اور OVUM کے ملاپ سے معرضِ وجود میں آتا ہے! اسے ان کی

زبانی سنیئے:

"جفتہ کے اندر نر و مادہ دونوں کے مورثے موجود ہوتے ہیں۔ چنانچہ جفتہ میں دونوں قسم کے امکانات موجود ہوتے ہیں۔ یہ نشوونما پاکر نر بھی بن سکتا اور مادہ بھی۔ انسان میں بھی اسی کے اندر سے لڑکا پیدا ہوتا ہے اور اسی کے اندر سے لڑکی۔ اس جفتہ کو قرآن کریم نے نَفْسٍ وَّاحِدَةٍ کہا ہے۔" (طلوعِ اسلام، نومبر ۹۲ء، صفحہ ۳۴)

اب آپ خود فیصلہ کریں کہ ڈاکٹر صاحب نے نَفْسٍ وَّاحِدَةٍ کو جو معنی پہنائے ہیں اسے کیا کہا جائے؟ وضاحت یا تاویل! اسے عملِ تولید کی وضاحت تو کہا جا سکتا ہے، قرآن کے "نَفْسٍ وَّاحِدَةٍ" کی وضاحت ہرگز نہیں۔

۱۔ قرآنِ حکیم نے کہیں بھی "جفتہ" کو نَفْسٍ وَّاحِدَةٍ نہیں کہا ہے۔ جس عمل سے "جفتہ" پیدا ہوتا ہے اس کے لئے قرآن میں نُطْفَةٌ کی اصطلاح آئی ہے ــــ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ (۱۶:۶، ۸:۳۲) "انسان کی پیدائش ایک قطرۂ آب سے ہوئی"۔ یعنی نُطْفَةٌ سے جنین کی پیدائش ہوتی ہے۔ جفتہ اور نطفہ تو مترادف معنوں میں آسکتے ہیں لیکن "جفتہ" کو "نَفْسٍ وَّاحِدَةٍ" کہنا دُور کی کوڑی لانا ہے۔

۲۔ قرآنِ حکیم نے اس "جرثومۂ زندگی" کو "نفسِ واحدہ" کہا ہے جو پانی اور مٹی کے امتزاج سے وجود میں آیا تھا (۱۵/۲۶؛ ۲۱/۳۰؛ ۲۳/۱۲)، عورت کے رحم میں پیدا ہونے والے "جفتہ" کو نہیں۔

۳۔ وہ جرثومۂ زندگی جس سے زندگی محسوس اور مشہود شکل میں سامنے آئی تھی، ایک (UN/T) تھا۔ یعنی واحد تھا یعنی اس میں نر و مادہ کی تمیز نہیں تھی۔ اس واحد جرثومۂ زندگی سے نوعِ انسان کی تخلیق کی ابتدا ہوئی۔ (۲/۲۱۳، ۱۰/۱۹)۔ جب کہ "جفتہ" بنیادی طور پر ایک (UN/T) نہیں ہے، یہ دو مختلف جرثوموں سے رحم میں وجود میں آتا ہے۔ "جفتہ" کو کسی تاویل کے ذریعے سے بھی ایک (UN/T) قرار نہیں دیا جا سکتا جیسا کہ ڈاکٹر صاحب نے کرنے کی کوشش کی ہے۔

۴۔ قرآنِ حکیم جس "نَفْسٍ وَّاحِدَةٍ" کی بات کرتا ہے اُس میں، اسی میں سے، اس کا "زوج" (جوڑا) پیدا ہوا۔ یعنی اس نفسِ واحدہ (واحد جرثومۂ زندگی) کو دو حصّوں میں تقسیم کر دیا گیا جس سے نر و مادہ کی تقسیم وجود میں آئی ــــ اور اس طرح نر و مادہ یعنی مرد اور عورت ایک دوسرے کے "زوج" (جوڑے) بن گئے۔ مقصد اس سے یہ تھا ــــ لِيَسْكُنَ اِلَيْهَا (۷/۱۸۹) ــــ مرد و عورت ایک دوسرے کی رفاقت سے سکونِ قلب حاصل کریں۔ یاد رہے کہ یہ قرآنِ حکیم کہہ رہا ہے، یہ کوئی سائنس کی تھیوری نہیں ہے۔

۵۔ اگر تھوڑی دیر کے لئے مان لیا جائے کہ "نَفْسٍ وَّاحِدَةٍ" سے مراد "جفتہ" ہے تو پھر یہ بھی بتانا پڑے گا کہ "جفتہ" میں سے اس کا "زوج" کیسے پیدا ہوگا؟ یاد رہے کہ جن معنوں میں قرآن نے "زوج" کو آیات ــــ

(۴/۱، ۷/۱۸۹، ۳۹/۶) میں استعمال کیا ہے اس سے واضح ہے کہ اس سے مراد اولاد نہیں بلکہ ایسا جوڑا ہے جس سے افزائشِ نسل، عملِ تولید کے ذریعہ ممکن ہو سکے۔ چونکہ "جفتہ" سے صرف اولاد پیدا ہوگی زوج نہیں، اس لئے یہ نَفْسٍ وَّاحِدَةٍ نہیں ہو سکتا۔ اور یہ بھی یاد رکھیں کہ

۴. قرآنِ حکیم نے اُس "اوّلین جرثومۂ زندگی" کو اُس وقت نَفْسٍ وَّاحِدَةٍ کہا ہے جب ابھی نر و مادہ، جن کے اختلاط سے جفتہ بنتا ہے، کا نام و نشان بھی نہ تھا۔ اس لئے یہ کہنا بھی صحیح نہیں ہے، جیسا کہ ڈاکٹر صاحب کہتے ہیں کہ نفسِ واحدہ سے قرآن کی مراد وہ "جفتہ" ہے جو سلسلۂ ارتقاء کے کسی بعد کے زمانے میں معرضِ وجود میں آتا ہے۔

سُن رکھیئے کہ نَفْسٍ وَّاحِدَةٍ سے قرآن کا اشارہ تخلیقِ انسانی کے نقطۂ آغاز یعنی اس جرثومۂ زندگی کی طرف ہے جس کی ابتداء مٹی اور پانی کے ملاپ سے ہوئی، باقی سب تاویلیں ہیں۔ یہ وہ جرثومۂ زندگی ہے جس سے زندگی محسوس و مشہود شکل میں سامنے آئی۔ قرآنِ حکیم، اس جرثومۂ زندگی، جو واحد تھا، یعنی ایک (UNIT) تھا اور جس سے انسان کی تخلیق کی ابتداء ہوئی، کو نَفْسٍ وَّاحِدَةٍ کہہ کر پکارتا ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ ڈاکٹر صاحب جیسے عالم و فاضل شخص نے نفسِ واحدہ کو ایسے معنی پہنانے کی کوشش کیوں کی ہے جو اس قرآنی اصطلاح کے کسی صورت میں بھی نہیں بنتے۔ اس کی ایک وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے انسانی زندگی کے ارتقائی سلسلہ میں نفسِ واحدہ کے صحیح مقام تعین کرنے کے لئے پوری توجہ نہیں دی۔ "زندگی کا نقطۂ آغاز وہ مقام ہے جو سائنس کے انکشافات کی دسترس سے باہر ہے" اس کو سمجھنے کے لئے ہمیں قرآن سے بہتر راہنمائی اور کہاں سے مل سکتی ہے۔

ہمیں چاہیئے یہ کہ قرآنی رہنمائی پر کھلے ذہن سے غور و فکر کریں اور جو کچھ قرآنِ حکیم سے ملے اُسے بغیر کسی خارجی ملاوٹ کے قبول کریں۔ لیکن عام طور پر ہم کرتے یہ ہیں پہلے سے ایک قائم شدہ خیال/تصور PRECONCEIVED IDEA) کو لے کر قرآن کی طرف آتے ہیں اور ہماری کوشش یہ ہوتی ہے کہ قرآنی ارشادات کو ایسے معانی پہنا دیئے جائیں جن سے اپنے خیال/تصور کی سند اور تائید حاصل ہو جائے۔ ظاہر ہے اس طرح ہماری رسائی صداقت تک نہیں ہو سکتی۔ کیا محترم ڈاکٹر صاحب قرآن فہمی کے اس بنیادی اصول پر غور کرنے کی زحمت فرمائیں گے؟

اُخروی زندگی : تالیف محمد عصمت ابو سلیم

ملنے کا پتہ : ۴/۳۶ اسلام پورہ (نزد پیکو) بادامی باغ لاہور۔

فاروقی کتب خانہ الفضل مارکیٹ۔ اردو بازار لاہور

بچوں کا صفحہ

اسلامی معاشرت
علامہ غلام احمد پرویزؒ

صحت اور صفائی

۶

جیسا کہ ذرا آگے چل بتایا جائے گا،

علم اور صحت انسان کے لئے علم کا ہونا نہایت ضروری ہے لیکن علم کے ساتھ اچھی صحت کا ہونا بھی بہت ضروری ہے۔ اچھا دماغ اور عمدہ صحت، دونوں کی ضرورت ہوتی ہے۔

زَادَهٗ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ (۲/۲۴۷)

"اللہ نے (حضرت طالوت کو) علم بھی بہت دیا تھا اور اس کے ساتھ ہی جسمانی قوت بھی بڑی عطا فرمائی تھی۔"

اگر بیماری آ جائے تو اس کا علاج نہایت ضروری ہے۔ خدا نے مختلف چیزوں میں

بیماری کا علاج یہ تاثیر رکھی ہے کہ ان سے شفا مل جائے۔ مثلاً شہد کے متعلق ہے کہ

فِيْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ (۱۶/۶۹)

"اس میں لوگوں کے لئے شفا ہے۔"

خدا نے صحت کے لئے جو قانون بنا

قاعدے کے مطابق علاج دیا ہے اس کی خلاف ورزی کرنے سے بیماری آ جاتی ہے اور اس کے مطابق عمل کرنے سے صحت حاصل ہو جاتی ہے۔ حضرت ابراہیمؑ نے اسی بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا کہ

(بقیہ صفحہ ۶۹ پر)

طلوع اسلام لاہور
طلوع اسلام لاہور

علامہ غلام احمد پرویز

کا درسِ قرآن کریم مندرجہ ذیل مقامات پر ہوتا ہے

شہر	مقام	دن	وقت
۱۔ ایبٹ آباد	۵۹۵۔ کے۔ ایل کیہال۔ رابطہ شیخ صلاح الدین	جمعۃ المبارک	۱۰۔ بجے صبح
۲۔ بورے والا	برمکان محمد اسلم صابر۔ مرضی پورہ گلی نمبر ۵	ہر ماہ پہلا تیسرا جمعہ	۹۔ بجے صبح
۳۔ پشاور	برمکان محترم عبدالرزاق نزد چوک شہیداں قصہ خوانی بازار	بدھ / جمعہ	۴۔ بجے شام
۴۔ پشاور	برمکان ابن امین فقیر آباد	جمعۃ المبارک	۴۔ بجے شام
۵۔ پیر محل	مکان نمبر ۱۳۹/۱۴۰، مدینہ پارک	ہر ماہ پہلا جمعہ	۹۔ بجے صبح
۶۔ پنج کسی	برمطب حکیم احمد دین	جمعۃ المبارک	۳۔ بجے سہ پہر
۷۔ جہلم	برمکان محترم قمر پرویز مجاہد آباد، جی۔ ٹی روڈ	جمعۃ المبارک	۶۔ بجے شام
۸۔ جلالپور جٹاں	یونائیٹڈ مسلم ہسپتال	جمعرات	۱۰۔ بجے صبح
۹۔ چنیوٹ	ڈیرہ میاں احسان الٰہی کونسلر بلدیہ پیر بھٹہ بازار	جمعۃ المبارک	۳۔ بجے بعد نمازِ جمعہ
۱۰۔ چک ۲۱۵۔ ای۔ بی	برمکان چوہدری عبدالحمید	//	۸۔ بجے صبح
۱۱۔ حیدر آباد	گولڈن سینٹری، عثمان آباد	//	۱۰۔ بجے صبح
۱۲۔ رجانہ	برمکان چوہدری ایس۔ ایم صادق، مین بازار	ہر ماہ تیسرا جمعہ	۱۰۔ بجے صبح
۱۳۔ سرگودھا	۶۰۔ اے سول لائنز، ریلوے روڈ	جمعۃ المبارک	۹۔ بجے صبح
۱۴۔ سیالکوٹ	خلجی سپورٹس ایبٹ روڈ، رابطہ فون ۸۷۶۵۸	پہلا اور دوسرا جمعہ	۳۔ بجے سہ پہر
۱۵۔ فیصل آباد	سمہ سی پیپلز کالونی (نزد تیزاب مل) رابطہ: ڈاکٹر محمد حیات ملک۔ فون ۴۲۸۵۵	//	۳۔ بجے سہ پہر
۱۶۔ فیصل آباد	ڈاکٹر طارق عزیز فاؤنڈیشن B/۸۳۵ سول کوارٹرز غلام محمد آباد رابطہ فون ۶۸۰۸۳۵ / ۳۳۰۷۰	//	۳:۳۰ بجے شام

شہر	مقام	دن	وقت
۱۷۔ کوئٹہ	صابر ہومیو فارمیسی تومنی روڈ	جمعۃ المبارک	۴ بجے سہ پہر
۱۸۔ کراچی	سنووائٹ کمرشل کمپلیکس (فرسٹ فلور) شاہراہِ فیصل (نزد بلوچ کالونی سگنل)۔ فون: ۵۷۲۲۵۱ — ۵۴۷۳۲۹	〃	۹:۳۰ بجے صبح
۱۹۔ کراچی	مکان ۱۲۰۶، گلی ۱۰۔ اے، بی ۳۶ شریف کالونی لانڈھی	اتوار	۸۔ بجے شب
۲۰۔ کوہاٹ	برمکان شیر محمد، نزد جناح لائبریری	جمعۃ المبارک	۸۔ بجے صبح
۲۱۔ گوجرانوالہ	شوکت نرسری گل روڈ، سول لائنز	〃	بعد از نماز جمعہ
۲۲۔ گجرات	مرزا ہسپتال، کچہری روڈ	جمعرات	۳:۳۰ بجے
۲۳۔ لاہور	۲۵۔ بی گلبرگ ۲ (نزد مین مارکیٹ)	جمعۃ المبارک	۹ بجے صبح
۲۴۔ لیہ	رحمانیہ میڈیکل سنٹر	〃	بعد نمازِ مغرب
۲۵۔ ملتان	شاہ سنز، بیرون پاک گیٹ	〃	۹۰ بجے صبح
۲۶۔ جوہر آباد	برمکان حکیم فاروق شاہ، قاضی کالونی	〃	بعد نمازِ جمعہ
۲۷۔ ماموں کانجن	برمکان ڈاکٹر (ہومیو) محمد اقبال عامر چک ۵۹ گ ب	〃	بعد نمازِ جمعہ
۲۸۔ ڈی جی خان	مدینہ ٹائپنگ کالج، بلاک ۲، کچہری روڈ	〃	۳۔ بجے سہ پہر
۲۹۔ راولپنڈی	برمکان ملک فضل کریم ۳۰۔ ملت کالونی مکھانسنگھ سٹیٹ رابطہ: چوہدری نثار احمد، ہائی وے آٹو گول منڈی ۷۴۷۵۲	〃	۵۔ بجے شام

اوقاتِ درس کے دوران

مجلہ طلوعِ اسلام کا تازہ شمارہ اور مفکرِ قرآن علامہ غلام احمد پرویزؒ کی جملہ تصانیف بھی مندرجہ بالا مقامات سے حاصل کی جا سکتی ہیں۔

10. Should always remind themselves of the Laws of Allah in all matters.

These are people who will be protected by Allah's Law of requital from destruction in all walks of life and Allah will reward them for their efforts and work (3/194, 4/124).

The Holy Quran tells the women that the men and women are both equally capable of performing the chores of life; then why should they (the women) have the desire to show their adornment off to men. They are not a commodity which is made attractive for buyers so that they could fetch a good price. The women who cannot get rid of this desire are told in verse (7/176):

" _____ وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنَٰهُ بِهَا وَلَٰكِنَّهُۥٓ أَخْلَدَ إِلَى ٱلْأَرْضِ وَٱتَّبَعَ هَوَىٰهُ ۚ _____ "

We wanted to elevate you (with The Holy Quran),
but you have embraced the earth by virtue of trailing your lowly desires.

****

It is hoped that the readers realize the great importance Allah has given women as the securers of the world's posterity. Therefore, they should be proud of their unique position and not necessarily copy or envy the opposite sex. Rather than regretting the fact that they are women, they should try to set themselves as equal to men, as Allah has ordained, and take their rightful position in the human society.

****

ıe fact of the matter is that no boy is born by his own decision to be a boy nor a rl is born by hers. Hence to consider girls (or women) to be inferior to boys (or en) is just like accepting the misconceptions mentioned earlier which have been gated by. The Holy Quran. Nevertheless, to consider men superior to women, is ainst the basic principles of The Holy Quran and negates God's designs. ccording to The Holy Quran, superiority depends on the individual qualities eveloped personality, character, and one's deeds) and not by virtue of birth. In am's basic principles, men and women are equal partners. All these ideas of an's superiority are creation of the "Islam" manufactured during the era of Muslim onarchy, when the women were auctioned off in the markets. The classical books Muslim jurisprudence are full of rules and regulations about their trade.

The fact that The Holy Quran does not promote showing off of ornamentation, due to the dignity it assigns to the women. In Christianity and Judaism, the reason r a woman's creation has been to please the man. In other words, she is not eated because of her own position, but to satisfy man's needs.

ıe Holy Quran has wiped off this concept and said that both the men and the omen have not been created just to fulfill the needs of anyone of them. Both have en created to fulfill equally, Allah's program for this universe.

IE HIGH STATUS OF WOMEN

ie notion that the women have been created to just fulfill the needs of the men has en hammered into the subconscious of women folk to such an extent, that the omen want to present themselves in that way. To the men, they should appear **tractive** . That is the reason The Holy Quran does not mind showing off in front of ther, brothers, sons, etc. since one does not "dress up" to "show off" in front of em with the intent of attracting their attention. It is worth noting that the Quranic erse next to the one regarding show off (33/33), is the declaration of their equality th men. The verse has been quoted earlier, when it is said in Soora AlAhzab erse 35:

Definitely, men and women have been equally given ability that they :

1. *Submit to the Laws of Allah.*
2. *Should not obey the laws mechanically, but should be convinced of its truthfulness and its healthy results.*
3. *Should develop their abilities and use them only when they have been told to by the laws of Allah.*
4. *Should justify the agreement they have made with Allah (9/111).*
5. *Should stay steadfast while facing difficulties.*
6. *Should be always available and willing to serve the mankind.*
7. *Should be able to spend all they have got on the system made to implement God's Laws.*
8. *Should restrain themselves wherever Allah's Laws require them to and observe the limitations imposed on them.*
9. *Should protect their chastity and honor.*

By virtue of its unique teaching, The Holy Quran trains young men and women a creates such a change in their mentality that every young man considers every girl woman (other than his wife) his sister. When The Holy Quran says in verse (49/1 " إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ " it does not mean that only Momin men are brothers of each other. also implies that Momin women are their sisters as well. (The Holy Quran has us the same word for brothers as well as sisters - See 4/176). Hence, if the mentality the people could be cleansed by proper training, it could solve such problems. If n so, there could be no law or method on earth which would solve the problem.

CONCLUSION

As was mentioned earlier that the governing rule regarding equality will discussed later. That rule of The Holy Quran is **that there is no difference betwee one human and another.**

The Jews believe that Heaven is for anyone who is born in a Jewish home. N Jews would not be able to enter Heaven. This was the biggest discriminat between one man and another. No one decides the family he or she is born into. discriminate against non-Jews on this basis, is not worthy of a true God, since t have no control over it.

The Christians believe that every child comes into this world carries forward first sin of Adam and Eve and until and unless he believes in atonement (of Je *he/she cannot have salvation* (i.e. cannot enter heaven). It is obvious, no pers *born in this world out of his/her own decision. Hence it is unjust to attribute an that he/she has no control over.*

The Hindus believe that all human beings are divided into four groups by virtu their birth. The **Brahmins** are born from the head of their God, therefore t have all the respect and power. **Khastri**, born from the arms are the warri Commanders and rulers. **Waish**, born from God's stomach, are the businessme **Shooder**, born from God's feet are supposed to serve others, specially Brah They are practically considered non-human. No one can change this distribut Should this discrimination be from God, then what kind of impression one ge God

With the revelation of The Holy Quran, all of the aforementioned misconcep were wiped out with one stroke, when it was said in Soora AlAsra (Soora 17), V 70 :

"_____ وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ _____"

We have created all human beings to be equally worthy of respect

Hence one cannot discriminate between one human and another by virtue o birth. All human beings are equally respectable in the eyes of Allah. It is obv that word **human** includes both **men** and **women**. Hence all the injunction The Holy Quran are equally applicable, whenever human or people etc. mentioned, to both **men** and **women**

All the above injunctions do not oppose adornment, except when it is for showing off. At the same time, it has been said in Soora AlNoor (Soora 24) Verse 36:

"The women should not show off their adornments, except in front of their husbands, father, father-in-law, sons or step sons, brothers, nephews, other women who are known to them, slaves and bond maids (the ones who were prevalent prior to Islam, which Islam forbade later) or other workers who are older and beyond sexual activity level or such children who are not yet versed with matters of sex".

In addition, The Holy Quran has cared for the privacy of couples, when it is said that the children and the servants should not come into the sleeping quarters prior to morning (Salat al-Fajr), afternoon when people rest and at night (after Salat al-Isha) without taking permission.

CLEANSING OF THE INTELLECT

All the rules and the instructions of The Holy Quran mentioned earlier have been for the sole purpose of cleansing the mentality and correction of the habits of the society that were prevalent in the era before the advent of Islam. These ways could not fit in the Islamic Social Order. Therefore the purpose behind these regulations was explained in verse (33/33)

" إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا ﴿٣٣﴾ "

"Allah wants to cleanse your mentality and purify your character"

The fundamental purpose of the Deen (Islam) in relation to sex is the maintenance of chastity. All the rules mentioned in the last pages are just means to achieve the end. The Islamic Government (not to be confused with the Governments where Muslim live) will have to review the conditions in a particular environment and then decide the best way to achieve the goal. The cleansing of sexual relations, can never be achieved by applying laws mechanically nor with force alone. This is a psychological desire and can only be controlled by purifying the thoughts. That is why it is said in verse (49/19)

" يَعْلَمُ خَائِنَةَ الْأَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُورُ ﴿١٩﴾

Allah knows the secrets of the heart and perfidy of the eye

An example of the relationship between the sexual behavior and the mental attitude of the individual could be seen in everyday life. An otherwise corrupt man could be living in a small room with his sister with no sexual feeling (sex perversion is a different matter), but as soon as he goes out of his house, he would not mind anything to achieve his objective. How come his behavior is different towards each of the two grown-up women ? The only difference is that he has been told since childbirth that he cannot even look at her sister in that way. Hence, it is a matter of training and guidance.

One such injunction was restricting the movement of wives of the Prophet (PBUH) (only them and not all women). They were told " يٰنِسَاءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَأَحَدٍ مِنَ النِّسَاءِ (33/32) *'You are not just one of the women folk and men. They were told to" ___ وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ ___ " (33/33) ' you should mostly stay at home' (as the society is going through a transformation)* and further it is said " وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ " ' Do not show off like the earlier era of Jahlia '. The word for show off used is " تبرج " which will be explained later, but it is important to note that they were asked not to act like they used to prior to the advent of Islam.

Thus they were taught to live gracefully and were told

" إِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِي فِي قَلْبِهِ مَرَضٌ وَقُلْنَ قَوْلًا مَعْرُوفًا ﴿٣٢﴾ "

"If you have to talk to strange men, do not make your voice soft and attractive that the men with bad intentions may find encouragement. You should speak to them properly as normal conversation".

This again shows the type of low society that existed at the advent of Islam and the steps that were necessary to transform the society.

ADORNMENT

This article is not meant to explain how much importance The Holy Quran gives to enhancement of beauty and elegance of whatever is found in nature. (The details regarding it could be seen in the Article Art and Islam by Allama Parwez, published in Tolu-e-Islam Magazine of July 1979). Here, however, it is pertinent to mention what The Holy Quran has described for adornment or ornamentation. Soora AlAaraf (Soora 7) Verse 32, says:

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللَّهِ الَّتِي أَخْرَجَ لِعِبَادِهِ وَالطَّيِّبَاتِ مِنَ الرِّزْقِ

"Say (O Rasool-Allah, ask them) who has forbidden you the adornments which have been made pleasant by Allah for the use of His people as well as the niceties of nourishment (food)"

In other words, Allah has challenged those who forbid the use of adornments. Hence it is permissible for both men and women.

However, there is a big difference between satisfying one's esthetic sense and showing off. In Jahlia Era, the prime purpose of adornment was showing off (and still is in most of the societies). The Holy Quran corrected it when it said *" Do not show off as you used to at the time of Jahlia'* in verse (33/32) as quoted earlier.

The word used for show off *is " ______ " (Root ______)* which means *to raise up ; to induce with the purpose of excitement*. It also means to *stir up* , just as the milk is stirred in a churn. Form it, is the Arabic word for churn " ______ ".

Therefore, Tabaruj "_____ " will be that kind of showing off, which could excite the feelings, of wicked men. This was the purpose of adornment at that time and that is why they were told to refrain from intentional showing off. That is why it is said that "___ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا ___ " (24/31) *" Don't show off intentionally, except what shows off by itself "*.

As has been noted above, the circumstances associated with wearing of Jalbab were unique, but it is required of woman to wear their clothes in a way to cover their bosoms بِخُمُرِهِنَّ عَلَىٰ جُيُوبِهِنَّ (24/31). Even when they walk they should not stamp their feet that they expose their adornments," وَلَا يَضْرِبْنَ بِأَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِينَ مِنْ زِينَتِهِنَّ (24/31)

WHO SPREADS IMMORALITY

Unfortunately, in most of the Muslim societies, the women are expected to be chaste and not men. The word " عصمت " (chaste) has been singled out for women. The women are always blamed for any kind of permissiveness in the society and not men. There is no movement ever to say that men should be chaste. The clergy always blame women for all ills particularly with respect to lewdness in the society. The fact is, if the men do not approach the women for their lowly desires, the women alone can never be lewd. Even if a woman suggests or tries to lure men, the obscenity will not spread if the men adhere to moral values. The physical act of immorality is always perpetrated by the men, but they always with the help of the Clergy, try to put the blame on the women.

One of the main arguments in favor of confinement of women to homes, is that the faith of the men (that they should stay moral and chaste) gets perturbed if the women go out of their homes. It is shocking and humiliating that the faith of men is so weak that it gets perturbed only by seeing women The faith that is so weak, by virtue of definition, is demotion of the word Eiman which implies conviction. It seems that, by default, the women are responsible for the Eiman, of men as well. An addition to their responsibilities! They should be locked up in homes, so that the men could keep their Eiman The dilemma is that The Holy Quran (since it is from the Creator who knows His creations well) has taken precautionary measures. It says that when one goes out, one should keep the eyes low (i.e. not to let them go wild). It is interesting to note that this instruction is first given to men قُل لِّلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ (24/30) and then to women " وَقُل لِّلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ " (24/31). The idea is, not that by lowering the eyes they should bump into each other, it implies that they should not be on the lookout for the opposite sex just for the sake of it.

CONFINEMENT

The confinement of women within the four walls of the house is a punishment proposed by The Holy Quran for lewdness and obscenity. In other words, they might not have fornicated, but outwardly acted in a way or enticed men which might lead to illegal sexual acts. The Holy Quran says in Soora AlNisa (Soora 4), Verse 15

" وَاللَّاتِي يَأْتِينَ الْفَاحِشَةَ مِن نِّسَائِكُمْ فَاسْتَشْهِدُوا عَلَيْهِنَّ أَرْبَعَةً مِّنكُمْ فَإِن شَهِدُوا فَأَمْسِكُوهُنَّ فِي الْبُيُوتِ حَتَّىٰ يَتَوَفَّاهُنَّ الْمَوْتُ أَوْ يَجْعَلَ اللَّهُ لَهُنَّ سَبِيلًا ﴿١٥﴾ "

If any of your women act lewdly (which could lead to fornication), then you should have (at least) four witnesses from amongst you. If they are proven guilty, then confine them into the house for life or (Allah's other laws) create different circumstances (such as their marriage, reform by society, a change in other conditions, etc.).

As has been mentioned earlier, the Arab Society of the Rasool-Allah's Era was not civilized. Even the Muslims had to be reformed continuously to remove the deep rooted practices of the earlier time. This process of change, looked harsh at times, but since Allah has explained the reasons for such injunctions, the injunctions got limited to those set of circumstances.

Such statements indicate the social and cultural crudeness of the society. This was the society that had to be educated and trained elevating them to a civilized level. On the other hand, in Medina, there was a big population of non-Muslims. These were trouble makers and used to tease women and when questioned, used to claim that had they known that these were Muslim women, they would not have teased them. Therefore, in Soora AlAhzab, (Soora 33) Verse 59 Allah asked Rasool-Allah to

" — قُل لِّأَزْوَٰجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَآءِ ٱلْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِن جَلَٰبِيبِهِنَّ ذَٰلِكَ أَدْنَىٰٓ أَن يُعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ —"

Tell your wives, daughters and other Momin women to wear their Jalbab (over-all, a loose cloth over the clothes), so that they could be recognized and not be disturbed

The next verse says that if they still continue to tease the women, treat them like criminals (33/60). It is clear, therefore, that the reason of wearing Jalbab is so that they could be recognized and nothing more.

The explicit nature of the verse (33/59) indicates that the injunctions of The Holy Quran regarding the precautions required of Muslim women while they go out were only applicable in those peculiar circumstances of that society. They were not forever nor unchangeable. The prime importance should be given to the spirit of the Quranic Injunctions. They are not changeable, but how to apply them, will vary from time to time, place to place. For example, the reasons for going to war, in principle, are permanent and unchangeable, but how will it be fought including methods, tools, etc. will change from time to time. Once this concept is understood, the need for these apparent restrictions could be understood.

In other words, the Jalbab is more of a uniform for identification rather the anything else. In a predominantly Muslim Society, this will not be necessary as most of the women will be Muslim and everyone would know that. The Holy Quran has not required anyone to cover the face nor the head/hair. However, it has required descent clothing and the covering of the bosoms (Soora AlNoor, 24/31) and has asked the women not to show themselves off (33/33). Similarly confining women to homes, is only allowed as a punishment for obscenity and abomination (4/15). Thus, to expect half of the humanity to be punished by confining them to their homes for no crime is an injustice which has no parallel.

CHASTITY

The Holy Quran has placed great importance to sexual conduct and the matter of chastity. This is one of the permanent values. It requires both men and women to be chaste.

As a matter of fact, it requires first the men to be " وَيَحْفَظُوا۟ فُرُوجَهُمْ chaste (24/30) and then women " وَيَحْفَظْنَ فُرُوجَهُنَّ "(24/31).

It described the Momin men and women to be " ٱلْحَٰفِظِينَ فُرُوجَهُمْ وَٱلْحَٰفِظَٰتِ " (33/35) " the *men who are protectors of chastity and the women who are protectors (of chastity)* ".

VEIL

Another matter that concerns women is that of physical exposure of their body. It is a very sensitive issue as most of the people are quite emotional about this subject. The Muslim clergy feel that the women should stay inside (the walls of the house); and if they go out, then they should look like walking tents. This has been taken for granted so much so that the clergy do not even feel that they have to quote any authority in this regard.

Allah, when talking about Jews and Christians, had described that they have made their priests and mystics God short of the real God. Exactly the same situation prevails in our society since generations. Whatever the Clergy say, becomes the word of God. Allah had asked Prophet Mohammed PBUH in the verse (66/1):

" لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ — "

Why have you forbidden for yourself what is made permissible by Allah'

But, most of the Muslim priests and mystics consider themselves as if they have the license to declare whatever they think is permissible, even though it may not be allowed by Allah and forbid what He may have allowed.

In this regard their first target is the woman. They want to tie her down and confiscate her God given freedom. VEIL is one of the most drastic of these restrictions. The veil and the associated restrictions put on the women on this pretext, devoid them of participating fully in all walks of life; whereas Allah has not restricted any.

To understand the background for Quranic Rules, it is important to see the social and civil level of the society who were the addressees of Rasool-Allah at the time of revelation of The Holy Quran. The Holy Quran tells us that they had to be told:

" to subdue the voice (not to shout) when talking " (31/19);
"It is improper to walk with pertness " (31/18);
" In a gathering one should sit in a way to make room for others and when (gathering is finished) one should move away " (58/4);
" When entering to any one's house, one must take permission "(24/27);
" If you want to take anything from others, you must ask for it from outside(33/53);
" If Rasool-Allah invites you for a meal, do not go to his house while the food is still being prepared nor keep sitting talking after eating for long periods. This embarrasses the host " (33/53).

WOMEN'S RIGHT TO OWN PROPERTY :

It has been explained earlier, that the men of the Islamic Society have the responsibility of providing for the needs of the women and the children. This does not mean that she cannot earn or own her property; she can. In Soora AlNisa (Soora 4), Verse 32, it is said:

وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللَّهُ بِهِ بَعْضَكُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ ۚ لِّلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوا ۖ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ۚ وَاسْأَلُوا اللَّهَ مِن فَضْلِهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا ﴿٣٢﴾

In order to protect the rights of each other, it is imperative to clarify the misconception that men can own property and women don't. The women are owners of their own belongings and property (4/7). Similarly, it is incorrect to think that the men could earn and the women could not. Both men and women could work to earn. Whatever the men earn is their's and whatever the women earn is their's. (In domestic life, the cooperation between husband and wife is another matter). As far as the natural obligations are concerned, the men are better in some and the women in other. But, it does not mean that the women become invalid and look up to men to earn and not work themselves. They should strive to and expect from Allah to increase their earning abilities. Allah is all knowing and therefore knows what they could do.

This means that whatever the women inherit or earn themselves is their own property. If the husband-wife have successful relationship, they do not stay businesslike with each other, but the legal status of the property ownership will stay the same as The Holy Quran has indicated.

In the light of the above explanations, it becomes clear that under no circumstance, the women are inferior to men or for that matter husbands are superior to their wives. These ideas of male supremacy in our society (unfortunately which are attributed to religious laws) have been borrowed from Christianity, Judaism or Hinduism. The Holy Quran is not to be blamed.

Alas the present day Muslim theocratic leadership hates the women so much that they even consider her half human even after her death. Their consented opinion is that the compensation for manslaughter in case of women will be half of that of the men. The leadership that is so discriminatory cannot be expected to equate men and women. This is only possible if The Holy Quran is singled out as the source of Islamic Law.

As far as the reliability is concerned, The Holy Quran has required even of men to be two as witnesses and not one. Does that imply that Allah does not consider men to be reliable that one was not considered enough ? Should both of the men give evidence? This is required only so that if one of them misses any detail or gets confused then the others could fill the missing information. In other words, it is a legal way of solving a peculiar situation. It is not an edict that men are not reliable and therefore one cannot trust the evidence of one. Two witnesses consolidate the evidence. Similarly, when two women were required as witnesses instead of one man, the implication should not be the unreliability. It is only a way of consolidation of the evidence and not that the women are less reliable. As far as comparative trust of testimony from man and woman is concerned, The Holy Quran has made both equally trustworthy. For example, evidence from a woman or man is equally acceptable in case of abuse (See 24/6-9).

The other part of the problem relates to the matter of one of the women getting perplexed etc. This verse was revealed about fourteen hundred years ago. Even today, in most societies, the women are not used to the courts and to dealing with strange men. Such state of women has been described by Allah in 43/18, which was prevalent at the time of revelation

" أَوَمَن يُنَشَّؤُا۟ فِى ٱلْحِلْيَةِ وَهُوَ فِى ٱلْخِصَامِ غَيْرُ مُبِينٍ ﴿١٨﴾ "

the ones raised loaded with jewelry, who cannot even describe clearly what is in her mind.

It must be clarified here that making agreements in the presence of two witnesses is one thing and taking evidence in a dispute is another. The evidence will only be taken from one. The other will remind the first one **if** she gets perplexed. **If not** , then the second one will keep quite.

Further, one should not raise the girls entrenched in gold and jewelry which does not prepare them to face the world and thus become incapable of expressing themselves. They should be well educated and exposed to the so called worldly affairs. Thus, they will not be confused and will be clear in evidence and the second women will not have to interfere. (The Islamic Government, is authorized by The Holy Quran to make bye laws to define these issues in accordance with the circumstances within the limits set by it).

The aforementioned is the pathetic position of the arguments used to show male supremacy.

GIRL'S SHARE IN INHERITANCE

According to The Holy Quran, the daughters inherit half of the sons (4/11). As has been discussed earlier, the type of society envisaged by The Holy Quran has men in the primary role of providing for women (and children) and the women are busy taking care of their responsibilities without worrying about earning for living. It is but natural, therefore, that they should inherit more. This is particularly so as the children represent a new generation whose needs must be fulfilled as well as the needs of aging parents.

Where the distribution of inheritance is amongst the people of the same generation as is the case of a brother and sister (in case the deceased was issue less and parents were still living) each of them gets one sixth (equal). For the parents, it is again one sixth each for mother and father. Therefore, it is wrong to say that The Holy Quran has made a general rule that the woman's share is half of the man's; it is generally for sons and daughters, members of the future generation or others where the situation is similar.

In the secular world, the men are not likely to fulfill their Quranic obligations, and the women may not be provided for. Therefore, until the Quranic Society is established, The Holy Quran has empowered the deceased the full right to distribute his/her belongings as he/she chooses through a Will. The proportions of inheritance fixed by The Holy Quran are only applicable when one dies without making a Will or if the Will does not cover the whole of the estate of the deceased. This has been explicitly mentioned in The Holy Quran. (It is interesting to note that as per the traditional religion, the Quranic law regarding Will is considered canceled. Is it believable

WOMEN AS WITNESS

The other objection is regarding woman as a witness. Soora AlBaqra (Soora 2) Verse 282 says that *"When you make a loan agreement then the deal must be written down and let there be two male witnesses" Then it continues to say "If two men are not available, then one man and two women". Why should two women be called ? This is explained by The Holy Quran by saying* "أَن تَضِلَّ إِحْدَاهُمَا فَتُذَكِّرَ إِحْدَاهُمَا الْأُخْرَىٰ *which is translated to mean "if one forgets, the other could remind her". The main word here is "* ضلال *", which means to get confused or become perplexed and not forgets .* Here the main issue is :

1. Why must there be two women instead of one man ?

2. Why is it said for the women that if they could be perplexed or confused ? Some people imply that the reason according to The Holy Quran is that the women are less reliable and of lower mental capability as compared to men.

RIGHTS AND OBLIGATION

With respect to the rights and obligations of men (husband) and women (wives) is concerned, The Holy Quran has beautifully contained the basic concept in few words (2/238)

"_____ لَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ _____"

The women have rights as much as they have obligations.

In other words, for every responsibility given to them, they acquire a right. What an equality It is an irony that the very verse which equates the rights and obligations is usually quoted to say that men are superior to women. The details are quite amusing. The above verse continues to say "____ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ____ "which according to traditional translators means *"Men are superior to women.*

If, on one hand, the verse says that the men and women have equal rights and obligations and on the other that the men are superior to women, it would be a clear contradiction. One gender cannot be superior to another if their rights and obligations are equal. The word used by The Holy Quran is ' درجة " meaning *"one degree"*. This *"degree"* can be understood easily by reviewing the whole verse. This verse from Soora AlBaqra (Soora 2) deals with the conditions attached to remarriage after divorce. The verse is:

" وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ أَن يَكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللَّهُ فِي أَرْحَامِهِنَّ إِن كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۚ
وَبُعُولَتُهُنَّ أَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِي ذَٰلِكَ إِنْ أَرَادُوا إِصْلَاحًا ۚ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ ۚ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ۗ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٢٢٨﴾

"The divorcees should refrain (from remarriage) for three menstrual cycles. (This period is usually called Idat). So that whatever has been created by Allah (i.e. in accordance with His laws) becomes pronounced etc..... then it says..... the men have one advantage" (i.e. the men can remarry right away and the women have to wait almost three months, or more if found to be pregnant, before they can re-marry). Obviously, an advantage in a peculiar situation does not mean one is superior than the other.

There are two more arguments raised by our so called religious authorities against equality of men and women and they are :

1. The inheritance laws, where it is said that the daughters get half of what the sons get.
2. Two women are considered equal to one man as witnesses.

After considering all of the above details given by The Holy Quran, there is no aspect of human life about which Allah might have given an ability to men and not to women. This is the reason The Holy Quran says that both of them will enter the Heaven together, may it be Heaven of home, society or hereafter. "وَمَن يَعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ مِن ذَكَرٍ أَوْ أُنثَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُولَٰئِكَ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُونَ (4/124) and and that the efforts of both the men and the women will not go in vain. " أَنِّي لَا أُضِيعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنكُم مِّن ذَكَرٍ أَوْ أُنثَىٰ (3).

There is no doubt that, as per the distribution of responsibilities, there are certain functions particular to the woman (for example, pregnancy, childbirth and the initial care and training of children). For the same reason, her body is built differently from man; and so is her psyche, which helps her with her duties, such as the love and affection for the child, and ability to sacrifice. What a sacrifice ! That it begins with the embryo, which develops with her blood and continues in the form of lactation after birth. The mother has such an abundance of patience and tolerance that she can fulfill all kinds of demands from her child with a smile, without expecting any thanks or reward. This and other similar qualities make women unique.

EQUAL PARTICIPANTS IN GOVERNMENT

At the same time, it does not mean that she cannot participate in other aspects of life. The Holy Quran has described the most important responsibility of an Islamic Government to order what is right and stop what is wrong . It has made both the men and the women equally responsible for it. Soora AlTauba (Soora 9) Verse 71, says " وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَيُطِيعُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ ۚ أُولَٰئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللَّهُ ۗ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ (71)

Men and women are each other's friends and benefactors. Both of them order what is right and stop (others from) what is wrong. They establish the system of Salat and arrange for giving Zakat. They obey Allah and His Messenger. These are the ones who will be blessed with kind protection and growth (like an embryo gets in mother's womb). This will be from Allah, who is all powerful and His power is based on reason.

It should be noted that " *to order the people to do what is right and stopping them from what is wrong* " is not a matter of sermons in mosques only. This is the responsibility of the Government of any particular region. Soora Haj (Soora 22) Verse 41 tells us "

" الَّذِينَ إِن مَّكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنكَرِ ۗ وَلِلَّهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ (41)

These Momins are those who, when they will have their own Government, will establish system of Salat, a system of Zakat (i.e. providing means of development for all), and order what is right and stop others from what is wrong and in the end, all matters will be decided in accordance with the laws of Allah.

Hence it is clear that both men and women run the Government together. It implies that the women can participate in the affairs of the State.

WOMEN'S EQUALITY

The main rule of The Holy Quran which has made men and women equal to each other will be discussed later. Below are some of the verses of The Holy Quran which make it clear that the men and women are partners and equally capable. It is said in Soora AlAhzab (Soora 33) Verse 35

"إِنَّ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَالْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْقَانِتِينَ وَالْقَانِتَاتِ وَالصَّادِقِينَ وَالصَّادِقَاتِ وَالصَّابِرِينَ وَالصَّابِرَاتِ وَالْخَاشِعِينَ وَالْخَاشِعَاتِ وَالْمُتَصَدِّقِينَ وَالْمُتَصَدِّقَاتِ وَالصَّائِمِينَ وَالصَّائِمَاتِ وَالْحَافِظِينَ فُرُوجَهُمْ وَالْحَافِظَاتِ وَالذَّاكِرِينَ اللَّهَ كَثِيرًا وَالذَّاكِرَاتِ أَعَدَّ اللَّهُ لَهُم مَّغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا"

In this verse various qualities have been described, by using masculine and feminine form of the same word. This implies that a woman can do what a man can do and just as well. It says :

Definitely,

"الْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَاتِ" *The men are capable of integrating themselves, by obeying to the laws of Allah and so are women.*

"وَالْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ" *The men can belong to the party, which believes that the sure result of following Allah's laws will be universal peace, and so can women.*

* "وَالْقَانِتِينَ وَالْقَانِتَاتِ" *The men have the capability to preserve their abilities in such a way that they use them only in accordance with His laws, and so have women.*

* وَالصَّادِقِينَ وَالصَّادِقَاتِ *The men are capable of proving the truthfulness of their claims about conviction (about The Holy Quran and whatever it stands for) and so are women.*

"وَالصَّابِرِينَ وَالصَّابِرَاتِ *The men are steadfast and so are women.*

* وَالْخَاشِعِينَ وَالْخَاشِعَاتِ *The men keep on bowing more and more in front of the laws of Allah as they develop their abilities more and more and so do the women.*

* وَالْمُتَصَدِّقِينَ وَالْمُتَصَدِّقَاتِ *The men can be charitable and so can women.*

* وَالصَّائِمِينَ وَالصَّائِمَاتِ *The men can control and restrain themselves from whatever is asked of them, so can women.*

وَالْحَافِظِينَ فُرُوجَهُمْ وَالْحَافِظَاتِ *The men can control their sex drives within allowable bonds, and so can women.*

"وَالذَّاكِرِينَ اللَّهَ كَثِيرًا وَالذَّاكِرَاتِ" *The men are capable of comprehending and considering the laws of Allah all the time and so are women.*

"أَعَدَّ اللَّهُ لَهُم مَّغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا ﴿٣٥﴾" *Since all the above qualities are available in both of them, therefore, results of their efforts should be the same. Hence in Allah's system, both of them have protection and great reward.*

BEATING OF WOMEN

The remaining part of the above verse is

" وَالَّتِي تَخَافُونَ نُشُوزَهُنَّ فَعِظُوهُنَّ وَاهْجُرُوهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوهُنَّ "

Since our traditional explanations of The Holy Quran have assumed that men are supposed to be guardians and rulers over women and the women must be obedient to them; they have taken the verse to mean that if wife does not obey her husband, then he should first try to make her understand, if not, break relations with her and ultimately if it does not work, to beat her.

As has been explained earlier, this verse is not talking about husband and wife but duties and obligations of men and women of a society generally. It has been explained earlier that, in accordance with the distribution of work, men are supposed to earn and once the women do not have to worry about earning, should fulfill their particular duties (of motherhood) properly. If the women, in spite of this arrangement, revolt against this arrangement of distribution of work without reason, (just as is happening in some Western countries), then it is necessary for the society to stop the anarchy. Imagine what will happen to the continuity of human race, if all the women start imitating men and without reason leave the duties which only they can perform. Therefore it is said the women of this mentality should first be taught and made to understand that their approach is disastrous for the society. If they do not refrain, then they should be put under house arrest. This will be like internment; if any of them still continues to revolt, then courts could sentence her to corporal punishment.

It should be clarified that no woman could be forced to bear children. This injunction from Allah is against organized revolt against child bearing and duties of motherhood.

Another point worth noting is that The Holy Quran has ordained that for the establishment of Islamic System (Social Order), independent, sovereign government is a must. However, it has not used the terms like, Government, State, Judiciary and its Subordinates and Courts, etc., as it makes all members of the society responsible for carrying out the affairs of the State. That is why, all usual obligations of the State have been addressed to " كُم " *your or* " هُم " *they*. For example, in connection with the punishment of thieves, it is said وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا *you should cut the hands of male thief and female thief*. It is obvious that only a competent court will decide after hearing the case on the punishment and the Government will carry out the decision accordingly. Here neither the court is mentioned nor the government, only **"you"** have been mentioned. **"You"** does not mean that everyone in the society, including the victim, has the right to cut the hand of the thief by himself/herself. Therefore, it should be clear that men (even husbands) do not have the right to punish women (even wives) by themselves without the court order.

This is the correct explanation of this verse, which we are usually told, allows husbands to be the rulers and guardians over their wives and that they can suppress them to make them obedient. The Holy Quran does not allow any human being to rule over any other human.

****

THE CORRECT EXPLANATION

Since The Holy Quran is a book of Arabic Language, which is a living language, the explanation based on the basic concepts in the classical Arabic are quite easy and straight forward.

On the onset it must be understood that this verse does not deal with the relations between husband and wife or man and his woman, it is talking about " الرِّجَالُ " the men and " النِّسَاءِ " the women in the general sense. Here Allah is explaining the obligations of men and women of the society.

It is common knowledge that the women are not always free to earn their livelihood due to certain obligations (pregnancy, childbirth, nursing, and taking care of the children), whereas, the men are free to work and earn all the time. Therefore, according to the Quranic distribution of the duties, men were assigned the obligations of " قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ . In the dictionary, " قوام عليها means *to provide subsistence* . In other words, the rule is that **the men of the society** must provide the means of subsistence for **the women of the society.** This is so because as per the rules of distribution of labour بِمَا فَضَّلَ اللَّهُ بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ *one kind of working capacity has been given to men and another kind to women . Therefore, " وَبِمَا أَنفَقُوا مِنْ أَمْوَالِهِمْ " the earnings of men (who are free to earn all the time) provide for the needs of the women, (who cannot earn all the time) . This will fulfill the needs of women and " فَالصَّالِحَاتُ " their abilities will develop positively*. They will get free (from the burden of earning) so that they could utilize their special abilities, which are unique to them. This is the meaning of the word " قَانِتَاتٌ - سقاء ، قنيت '' is that canteen which is closed firmly after filling water so that it will preserve its water and not let it spill. It should only open when the water need be discharged. If the women have to earn their living, they will not be able to fulfill the function assigned to them. This point is further explained by saying حَافِظَاتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللَّهُ i.e. *since Allah (by virtue of His law) has relieved them from having to provide their means of sustenance, they would be satisfied and become free to preserve what has been given to them inconspicuously (i.e. the safeguarding and nurturing of the embryo)*

It is to be noted here that The Holy Quran mentions the particular obligations of women and related matters in a very serious way, while our traditional translations make the men rulers and guardians and women obedient to them. They are supposed to stay chaste (in the absence of their husbands). In other words " فَالصَّالِحَاتُ " *is translated as Good women, obedient and preservers of chastity* as if chastity is only applicable to women. Actually in Soora AlAhzab (Soora 33) Verse 35, this virtue is given to both men and women. This is because if the women should follow the laws of Allah, then the men should too. Hence, to apply these words to infer that they support the supremacy of men over women is wrong from this point of view as well. The men and women are both companions and partners of each other, and in companionship for one to rule above the other is not possible. They are both one of a pair " زوج "; that is the word used in Holy Quran for them. This word in itself carries the message of Allah regarding compatibility, companionship, and complete understanding between the two.

In this regard, another Hadees tells us: *"Rasool-Allah said that when he peeped into Heaven, he saw the poor and when he looked into Hell, he found the majority to be women".*

(Bukhari - Book of Prophets)

It must be noted here that Rasool-Allah is believed to have said that *" Heaven is at the feet of Mother "* and on the other hand the women were in Hell in abundance One should ask weren't they mothers? At least some of them must have been Then, how come they themselves were in Hell and the Heaven was under their feet One can easily infer that these traditions were coined by men who considered the women to be beings of low integrity suitable to be their wives (so that their lowly desires could be fulfilled) and nothing else.

THESE TRADITIONS ARE FICTITIOUS

Such beliefs make the women hateful. The non-Muslim coined such traditions under a conspiracy and collectors of Ahadees entered them into our books of Ahadees erroneously. Unfortunately, people adore these fictitious traditions and never think the ramifications of associating and attributing such stories to Prophet Mohammed PBUH. Anyone in his right mind, if refuses to attribute them to Rasool-Allah, is branded for denial of Ahadees and excommunicated from Islam.

****

THE RELATIONSHIP BETWEEN MEN AND WOMEN

It was mentioned earlier that a verse of Soora AlNisa is quoted extensively in the support of superiority of men over women. This verse 34 of Soora 4 and its traditional translation says:

اَلرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللَّهُ بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ وَبِمَا أَنفَقُوا مِنْ أَمْوَالِهِمْ ۚ فَالصَّالِحَاتُ قَانِتَاتٌ حَافِظَاتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللَّهُ ۚ
وَاللَّاتِي تَخَافُونَ نُشُوزَهُنَّ فَعِظُوهُنَّ وَاهْجُرُوهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوهُنَّ ۖ فَإِنْ أَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوا عَلَيْهِنَّ سَبِيلًا ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيرًا

Men are in charge of women, because Allah hath made the one of them to excel the other, and because they spend of their property (for the support of woman). So good women are the obedient, guarding in secret that what Allah hath guarded. As for those from whom you ye fear rebellion, admonish them and banish them to beds apart, and scourge them. Then, if they obey you, seek not a way against them. Lo! Allah is ever High Exalted, Great.

(English Translation by Marmaduke Pickthal - Taj Co. Ltd.)

Tafseer Ibn-Kaseer (Soora AlNisa), tells us: Hazrat Ibn-Abbass has narrated that the woman must be obedient to men. Hazrat Hasan Basri has narrated that a woman, one day complained to Prophet Mohammed PBUH that her husband had slapped her. He had just permitted her to take revenge that this verse was revealed and she was stopped from taking revenge. In another tradition it is said that one of the Ansar took his wife to Prophet Mohammed PBUH. She complained to the Prophet that her husband had slapped her and the mark was visible on her face. The Prophet said that he (the husband) had no right. Immediately this verse was revealed saying that men are rulers over women so that they can teach them manners. The Prophet said," I had hoped for something different and God's will was different".

(Tafseer Al-Manar by Mufti Mohammed Abdah, Volume 5, Page 74).

In the same Tafseer, further on, it is said, *"In one tradition it is said that Prophet Mohammed PBUH said not to beat the concubines (here the writer got confused between wives and concubines). Then one day Hazrat Omer Farooq came and told the Prophet PBUH that the women have become adamant and bold in front of their husbands after hearing your statement. Then Prophet PBUH allowed men to beat them. Then men started beating (the hell out of) them. A lot of women folk brought their complaints to the Prophet PBUH. Then the Prophet PBUH asked the people that he has heard a lot of complaints from the women that men mistreat them; who ever does that is not good (giving the impression that it is legally permissible but not advisable to beat the wives). "Hazrat Ash-a'th tells us that once I was guest of Hazrat Farooq Al-Azam (Omer). By chance the husband and wife quarreled about something and Hazrat Omer beat her and then said to me "Ash-a'th, remember three things which I have memorized from Rasool Allah PBUH. Firstly, never ask a man why did he beat his wife, secondly don't sleep without reciting Witter (a prayer for Isha time) and the third thing the narrator forgot" (Page 20-21)*

The same explanation further says:

Rasool-Allah said that if I could order anyone to kneel down in front of anyone other than Allah, I would have ordered the women to do that in front of their husbands. Bukhari Shareef (a book of Ahadees) says that if a husband calls his wife to the bed, and she refuses, then the Angels curse her till the morning. In Sahih Muslim, (another book of Ahadees) it is said that if a woman does not go to bed with her husband due to being cross with him, then Allah's Angels of Mercy curse her for the whole night ". (Page 21)

This is the position of women compared to men (as per the religion practiced today). As regards their being source of sin and evil, the books of tradition are full of them. For example, Bukhari Shareef (considered to be the most accurate of the books of Ahadees) says:
"It is narrated by H. Abu Hurraira that Rasool-Allah had said that if Bani-Israel were not there, the meat would never rote and if Eve was not there no woman would have betrayed her husband".

(Bukhari - Book of Birth of Prophets)

Another traditions says :
"Rasool-Allah PBUH said ominousness is found in three things - the women, the house and the horse".

(Bukhari - Book of Nikah)

WOMAN...THE INFERIOR BEING

The Christianity believes that Adam was created first. When he felt lonely, his wife (Eve) was created from his rib (Genesis). It is an unimaginable reality that the same concept has been accepted as a fact by Muslim theologians.

Tafseer Ibn Kaseer is considered to be one of the most authentic explanations of The Holy Quran. In it, the birth of Adam has been explained as:

"It is narrated by Hazrat Ibn-Abbass (from Prophet Mohammed PBUH that after scolding the Devil, and after teaching Adam knowledge about everything, Adam was put to sleep. Then Eve was created from his left rib. When Adam saw her, after he woke up, he became fond of her as she had the same flesh and blood as his own. Then Allah married them and ordered them to live in the Heaven. However, some say that Eve was created after Adam had been admitted to Heaven. Hazrat Ibn-Abbass, Ibn Masood, etc. the companions of the Prophet PBUH narrated that Adam was admitted to Heaven after expulsion of Iblees (devil) from Heaven, but he was all alone and lonely at that time and that is why Eve was created in his sleep. When he (Adam) woke from his sleep, he asked her who she was and why was she created. Eve replied that she is a woman and had been created to live with him and to comfort him."

(Urdu translation by Maulana Mohammed Juna Gari, Section 1, Page 85).

Elsewhere it is said,

"The true tradition {of Prophet Mohammed PBUH} tells us that the woman is created from the rib (of man), and since she is created from the highest rib, which is the most crooked, if you try to straighten her, you will break her; and if you will leave her little bent, you can benefit from her.

(Urdu translation by Maulana Mohammed Juna Gari, Section 4, Page 66).

In this, and other similar explanations of The Holy Quran which are supposedly in accordance with the so called traditions (which are attributed to Prophet Mohammed PBUH even though there is no doubt in their falsehood), the Woman's existence in itself is meaningless. She is just there to comfort the man. Secondly, since it is assumed that she was created out of a bent rib, it is implied, therefore, that she cannot be straightened. Whoever will try to straighten her will break her. In other words, she is and she will always be crooked.

This is not the only phenomenon, one will see numerous other false traditions being attributed to Prophet Mohammed PBUH and thus, having become part of the Muslim faith, are considered the basis of explanation of many of the Sooras. Soora AlNisa (Soora 4) has a verse 34, which says " اَلرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ It is usually translated as "*Men are guardians (or rulers of) of Woman* ". This translation is based on a falsely attributed tradition, likes of which are common in today's Muslim theology.

STATUS OF WOMAN IN CHRISTIANITY

The Bible tells us that Adam and Eve used to live in Heaven, when the Devil (i the form of a snake) misguided (Eve); who in turn made Adam eat the fruit fron the forbidden tree (Genesis 2-3). This resulted in the exodus of man (humanity from Heaven. Thus, woman is the real cause of the first sin and not the man Therefore, the woman is the one, who started all of the difficulties faced by mankinc in this world and thus, is an inferior being. Most of the classical Christian Literature blames her and considers her the curse on mankind. Most of the Saints looked down upon women. That is why, they say, that Prophet Easa (Jesus) never got married (and thus maintained his celibacy); and that any man that will follow suite, will become closer to God. Similarly, and following their practice, even the nuns live a life of celibacy so much so that for centuries, the Christian clergy have been discussing whether woman had soul or not.

Charles Seltman has written a book entitled "Woman in Antiquity" where he has discussed origin of various of the Christian beliefs about woman. He has quoted a saying of St.Paul which says :

"All unmarried women and widows are advised not to get married, just as myself". Then he goes on to say "The man was not created from the woman, the woman is. The man is not created for the woman, the woman is. The women should sit quietly in the Church, they are not allowed to talk. Legally, their status should be less than that of men. If they want to enquire anything, they should go home and enquire from their husbands. It is disgraceful for the women to talk in the Church".

Another of the Saints, Saint Hievonymus is quoted to have said, "The woman is the doorway to devil, a way to evil, and Scorpio's venom".

These Saints believed that the woman cannot go to the Heaven. Their only problem was that of Mary. What would be her status ? St.Thomas solved this problem by saying that Mary and all the other women who believe in salvation due to crucifixion of Jesus, will be changed to men so that they could go to Heaven. He even thought that in life hereafter, there will be no distinction of genders.

Such beliefs did develop in Christianity, but unfortunately, the Muslim were influenced as well. The Muslim borrowed these ideas from them and made them part of the Islamic Literature.

It would be prudent to clarify here, however, that contrary to the popular belief, The Holy Quran has clearly indicated that the devil (Satan) had misguided both Adam and his wife together and not wife alone (who in turn misguided Adam). The Holy Quran says in verse (2/36) " فَأَزَلَّهُمَا الشَّيْطَانُ - " Satan deceived both (هُمَا) of them ".

WOMAN

IN THE LIGHT OF THE HOLY QURAN

PREAMBLE :

The women represent more or less half of the human race, yet they have to fight for their rights like other minority groups. The Holy Quran had, more than fourteen centuries ago, detailed their rights and obligations so that human energies are not wasted on such issues. Nevertheless, it is unfortunate that the English readers have no access to the message in its pristine form. I have been requested by my own family members to write on the subject in English.

Over the years, Tolu-e-Islam has published a lot of articles in Urdu language on the rights and obligations of women from the Quranic perspective. Allama Ghulam Ahmed Parwez's book, Letters to Tahira, in Urdu, has dealt with this subject extensively. I found the pamphlet, with the above caption, published by the Tolu-e-Islam Trust to contain most of the fundamental injunctions of the Holy Quran in this respect. Therefore, I took upon myself to re-present an adaptation of the same in the English language. I would like to mention that the idea here is to clarify what Allah's great book, The Holy Quran says on the subject and not to contradict any one's, any sect's or for that matter any religion's beliefs.

Most of the present day Islamic Literature is based on the stories originally derived from Judaism and Christianity. Therefore it becomes inevitable to describe what these religions say about the women, as background information. It will enable one to understand the origin of many of our own (most of the present day Muslim's) beliefs and practices.

Ubedur Rahman Arain, Kuwait.

****

قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُبِينٌ ﴿١٥﴾

A light has assuredly come to you
from Allah, (in the form of)
a clear, precise and evident book

WOMAN

IN THE LIGHT OF QURAN